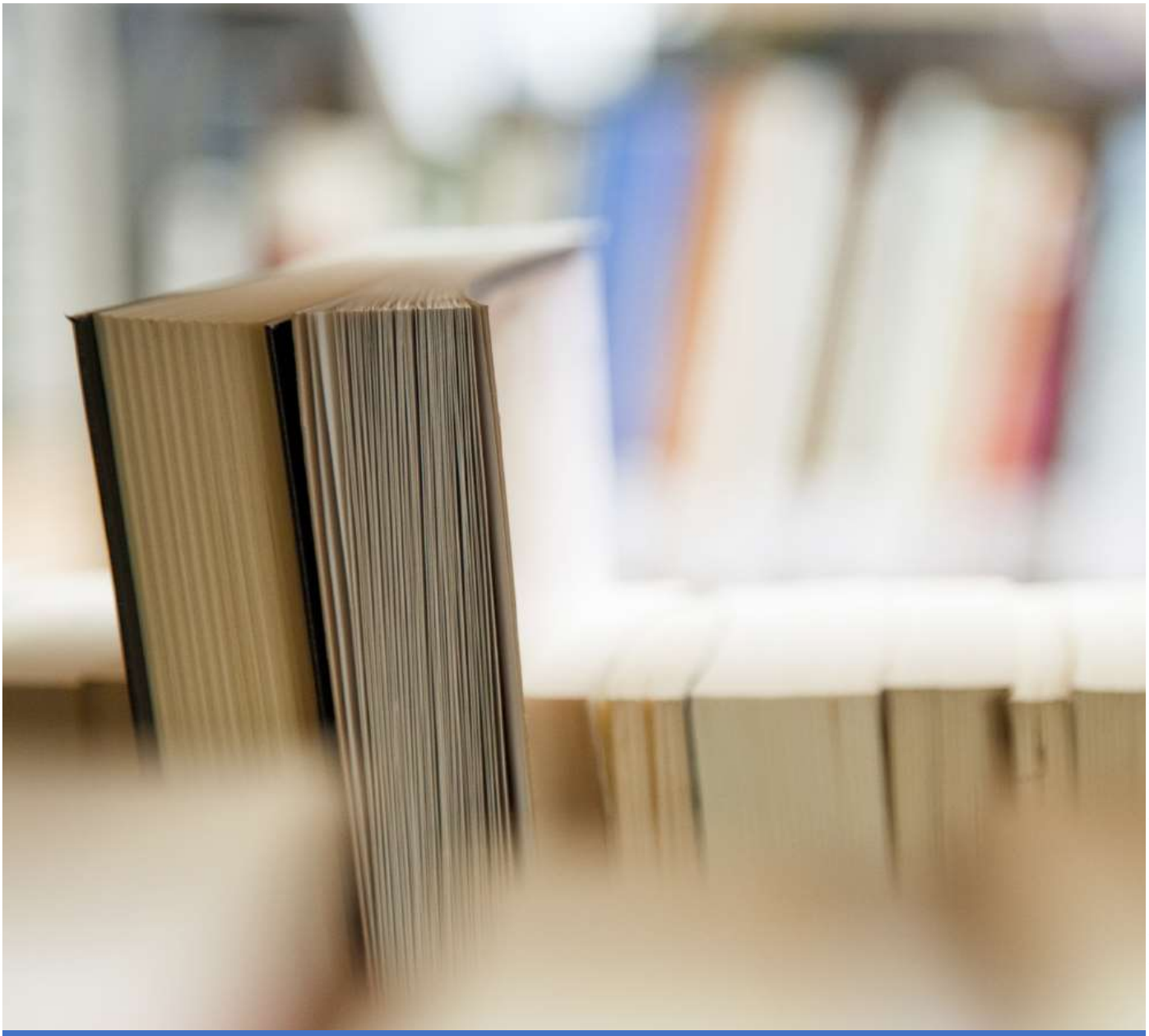

تفسیر بیضاوی

سوالاوجوابا

محمد صائم عطاری

مرکزی جامعۃ المدینۃ گجرات

01/16/2024

عرض کاتب!!!

اس فائل میں آپ کو تفسیر بیضاوی ششماہی اول کا 80 فیصد نصاب ((کتاب کے شروع سے لے کر سورۃ البقرہ آیت نمبر 7 سے پہلے تک)) ملے گا۔۔۔۔

اگر آپ کو کوئی غلطی نظر آئے تو ضرور اطلاع فرمائیں۔۔۔۔

اگر آپ مندرجہ ذیل کتب کے ہمارے لکھے نوٹس چاہتے ہیں تو نیچے دیے گئے نمبر پہ رابطہ فرمائیں۔۔۔۔

(1) شرح وقایہ ((ششماہی ثانی)) (2) حسامی ((باب القیاس)) (3) تیسیر مصطلح الحدیث (4) القصائد المنتخبہ (5) فقہ السیرہ (6) فتح المنان (7) تفسیر بیضاوی ((ششماہی ثانی)) (8) ہدایہ ((ششماہی اول، ششماہی ثانی)) (9) النور المبین (10) مناظرہ رشیدیہ (11) اجابۃ الغوث (12) اصول الدعوۃ والارشاد (13) الفقہ الاکبر (14) العربیہ للطالبین ((المستوی الرابع)) (15) منہاج العابدین

03238599095

🌹 ✒️ محمد صائم عطاری

درجہ سادسہ

مرکزی جامعۃ المدینہ گجرات

سوال::: تفسیر بیضاوی کے مصنف کا مختصر تعارف لکھیں۔۔۔

جواب::: علامہ امام قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ ناصر الدین ابو سعید (ابو الخیر) عبداللہ بن عمر بن محمد بن علی قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ علوم قرآن کے ماہر و امام، محدث، قاضی اسلام، تاریخ داں شخصیت عظیم فقیہ اور مسلکا شافعی تھے آپ کا سب سے بڑا کارنامہ قرآن مجید کی تفسیر انوار التنزیل واسرار التاویل ہے (اسے عموماً تفسیر بیضاوی کہتے ہیں)۔

آپ کی اہم تصانیف میں منہاج الوصول شامل ہے جو علم فقہ کا عظیم خزانہ اور نظام التاریخ ہے اس میں آپ نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے سے اپنے زمانے تک کے حالات قلم بند کیے۔ نیز آپ نے علمِ کلام اور شروحات پر تاریخی کارنامے سر انجام دیئے۔

سوال::: آپ کو ""بیضاوی"" کیوں کہا جاتا ہے؟؟؟

جواب::: کیونکہ آپ "بیضاء" نامی بستی میں پیدا ہوئے تھے اس لیے بیضاوی کی نسبت سے جانے جاتے ہیں۔۔۔

سوال::: آپ کی بستی کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟؟؟ یعنی آپ رحمۃ اللہ علیہ کی بستی کو ""بیضاء"" کیوں کہا جاتا ہے؟؟؟

جواب::: ولایت فارس میں ایک شہر تھا جس کا علاقہ نہایت خوشگوار اور سرسبز و شاداب تھا جس میں سانپ بچھو وغیرہ موذی جانوروں کا نام تک نہیں تھا یہاں کے انگور کا ایک ایک دانہ دس دس مثقال کا ہوتا تھا اور ایک خاص قسم کا سیب ہوتا تھا جس کا سائز دو بالشت کا ہوتا تھا۔ اس کو شاہ گشتاسپ نے اور بقول بعض، حضرت سلیمان " کے حکم سے جنات نے تعمیر کیا تھا۔ فارسیوں کے زمانہ میں اس کو ''دراسفید'' کہتے تھے تعریب کے بعد بیضاء ہو گیا۔ اصطخری کا قول ہے کہ یہاں ایک قلعہ تھا جو دور سے سفید نظر آتا تھا اس لئے اس کو بیضاء کہنے لگے۔ مشہور زاہد حسین بن منصور الحلاج اسی شہر کے باشندے تھے.

سوال::: تفسیر کی تعریف کریں۔۔۔

جواب:::

((لغوی تعریف)) لفظ تفسیر عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ "فسر" ہے،، یہ باب تفعیل کا مصدر ہے،، اس کا مطلب ہے " واضح کرنا کھول کر بیان کرنا"۔۔۔

((اصطلاحی تعریف)) تفسیر ایسا علم ہے جس کے ذریعے اللہ پاک کی کتاب کو یعنی اس کے معانی، احکامات اور حکمتوں کو سمجھا جاتا ہے۔۔۔۔

سوال::: تفسیر بیضاوی کے خطبے کا ترجمہ تحریر کریں۔۔۔

جواب::: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنے بندہ خاص ((حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)) پہ فرق کرنے والی کتاب نازل فرمائی تاکہ وہ ((کتاب یا وہ بندہ)) تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والا ہو جایے۔۔۔

اللہ پاک نے قرآن کریم کی سورتوں میں سے سب سے چھوٹی سورت کے ذریعے خالص عرب کے بڑے بڑے فصیح و بلیغ خطباء کو للکارا((یعنی ان کو چیلنج کیا))لیکن کوئی بھی اس پہ قادر نہ ہو سکا،،قبیلہ عدنان کے فصحاء اور قحطان کے بلغاء میں سے جس نے قرآن کو مقابلے کے لیے للکارا اسے خاموش کروادیا یہاں تک کہ انہوں نے گمان کیا کہ ان پہ جادو کر دیا گیا ہے۔۔۔

جو کتاب لوگوں کی طرف نازل کی گئی اسے لوگوں کی مصلحتوں کے مطابق ان کے لیے بیان کیا تاکہ وہ اس کی آیات میں غور و فکر کریں اور عقل والے نصیحت حاصل کریں،،پس لوگوں کے لیے محکم آیات سے پیچیدگی کی چادر کو ہٹادیا اور وہ محکم آیات ہی اصل کتاب ہیں،،اور دوسری متشابہ آیات ہیں وہ تاویل اور تفسیر کے اعتبار سے اللہ پاک کے راز ہیں۔۔۔

اور((اللہ پاک))نے لوگوں کے لیے پیچیدہ حقائق اور لطیف نکات کو ظاہر کیا تاکہ ان کے لیے ملک و ملکوت کی پوشیدگیاں اور اللہ پاک کی جمالی اور جلالی صفات ظاہر ہو جائیں،،تاکہ وہ اس میں خوب غور و فکر کریں۔۔۔

اور ان کے لیے((اللہ پاک نے))آیات کی نصوص اور اشاروں سے احکامات کے قواعد و اسباب کو بیان کیا تاکہ ان سے گندگی کو دور کرے اور انہیں پاک کرے۔۔۔۔

پس دل والا یا جس نے کان لگا کر سنا اس حالت میں کہ وہ موجود رہا تو وہ دونوں جہانوں میں تعریف کے لائق اور سعادت مند ہو گا،، اور جو اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا اور اس کے چراغ کو بجھانے کی کوشش کی تو وہ ذلت کی زندگی گزارے گا اور جہنم میں داخل ہو گا۔۔۔۔۔

اے واجب الوجود!!!،،اے جود و سخا کے دریا بہانے والے!!!،،اے ہر مقصد کی انتہا!!!،،حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ اتنا درود بھیج جتنا انہوں نے((امت کو))فائدہ دیا،،اتنا درود بھیج جتنی انہوں نے مشقت اٹھائی،،اور جس نے ان کی مدد کی اور ان کے بیان کو پختہ کیا اس پہ((بھی))رحمت بھیج،،اور ہمیں ان کی برکتوں کا فیض عطا فرما اور ہمیں ان کے عزت والے راستے پہ چلا،،اور ان پر اور ہم پر کثیر سلامتی بھیج۔۔۔۔

حمد و ثناء کے بعد،،پس بیشک تمام علوم میں سے رتبے کے اعتبار سے بڑا علم اور شرف و علامت کے اعتبار سے بلند علم""""علم تفسیر""""ہے،،وہ علم تفسیر جو تمام علوم دینیہ کا رئیس اور سردار ہے،،شریعت کے قواعد کی بنیاد اور اساس ہے،،تفسیر کا علم حاصل کرنے اور اس کے بارے میں کلام کرنے کا حق صرف اسی شخص کو ہے جو تمام علوم دینیہ اصول و فروع کے اعتبار سے مہارت رکھتا ہو اور عربی ادب کی تمام اقسام میں فوقیت رکھتا ہو۔۔۔

طویل عرصے سے میرے دل میں یہ بات تھی کہ میں اس فن میں ایک ایسی کتاب لکھوں جو اس خلاصے پہ مشتمل ہو جو صحابہ عظام،علماء تابعین اور ان کے بعد والے سلف صالحین سے مجھ تک پہنچا،،اور یہ کتاب ان عجیب و غریب نکات اور خوش کن لطائف پہ مشتمل ہو جنہیں میں نے اور مجھ سے پہلے متاخرین فضلاء اور ہم عصر محققین نے اکٹھا کیا،،اور یہ کتاب قرأت کی ان مشہور وجوہات کو ظاہر کرے جو آٹھ آئمہ کرام کی جانب منسوب ہیں اور ان شاذ قرأتوں کو ظاہر کرے جو معتبر قراء سے مروی ہیں مگر

میری کم مائیگی نے مجھے یہ عمل کرنے اور اس مقام پہ کھڑا ہونے سے روک دیا یہاں تک کہ میرے لیے استخارہ کے بعد وہ چیز ظاہر ہو گئی جس کی وجہ سے میرا عزم پختہ ہو گیا اس چیز کو شروع کرنے پہ جس کا میں نے ارادہ کیا تھا یہ نیت کرتے ہوئے کہ میں اسے مکمل کرنے کے بعد اس کا نام انوار التنزیل و أسرار التاویل رکھوں گا۔۔۔

پس اب میں شروع کرنے لگا ہوں،، اللہ کے حسن توفیق سے کہتا ہوں،، اور وہ خیر کی توفیق دیتا ہے اور ہر سائل کو عطا کرتا ہے۔۔۔۔۔

سوال::: سورت کا لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کریں۔۔۔

جواب::: ((لغوی معنی)) اس کے بارے میں دو لغتیں ہیں:::

(1) یہ مہموز العین ہے اور اس کا معنی ہے """بقیۃ الشئ"""، چونکہ کسی چیز کا بقیہ حصہ اس چیز کا جزء ہوتا ہے اور سورت بھی قرآن کا ایک جزء ہے اس لیے اسے سورت کہا جاتا ہے۔۔۔۔

(2) یہ اجوف واوی ہے جو """سؤر البلد""" سے ماخوذ ہے،، جس طرح شہر کی دیوار نے شہر کے حصوں کو گھیرا ہوتا ہے اسی طرح سورت نے بھی قرآن کی بعض آیات کا احاطہ کیا ہوتا ہے۔۔۔۔

((اصطلاحی معنی)) قرآن کریم کا وہ حصہ جس کی مقدار کم از کم تین آیات ہو اسے سورت کہا جاتا ہے۔۔۔

((سورۃ الفاتحہ و وجہ التسمیۃ بھا))

سوال::: لفظ """فاتحہ""" کی تحقیق کریں۔۔۔

جواب::: اس کے بارے میں دو اقوال ہیں:::

(1) یہ مصدر بمعنی مفتوح ہے۔۔۔

(2) یہ اسم فاعل ہے اور آخر میں """تاء""" تانیث کی نہیں ہے بلکہ اسمیت کی ہے۔۔۔۔

سوال::: مصنف نے کتاب میں سورت فاتحہ کے کون سے نام ذکر کیے ہیں؟؟؟

جواب::: مصنف نے مندرجہ ذیل نام ذکر کیے ہیں:::

(1) فاتحۃ الکتاب (2) ام القرآن

(3) اساس (4) سورۃ الکنز

(5) وافیہ (6) کافیہ

(7) دعا (8) سورۃ الحمد

(9) سورۃ الشکر (10) تعلیم المسألۃ

(11) الشافیہ (12) سورۃ الشفاء

(13)سورۃالصلاۃ(14)سبع مثانی

سوال::: سورۃالفاتحہ کے تمام اسماء کی وجہ تسمیہ بیان کریں۔۔۔۔

جواب::: فاتحۃالکتاب کی وجہ تسمیہ تونام سے ظاہر ہے کہ کتاب اللہ اس سے شروع ہوئی ہے۔۔۔۔

"""اُم القرآن""" کہنے کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کی ابتداءاس سورت سے ہوئی،، گویاکہ یہ سورت قرآن کی اصل اوربنیاد ہے،، اصل اوربنیاد ہونے کی وجہ سے اسے """اساس""" کہاجاتاہے۔۔۔۔"""اُم القرآن""" کہنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ ان تمام مضامین پہ مشتمل ہے جوقرآن میں بیان ہوئے مثلا:::اللہ پاک کی حمدوثناء،اس کے احکامات کی پیروی کرنا،اس کی منع کی ہوئی چیزوں سے رکنا،اللہ کے وعدے اوروعیدوغیرہ((یعنی یہ تمام چیزیں سورۃالفاتحہ میں اجمالا بیان کردی گئی ہیں))۔۔۔"""اُم القرآن""" کہنے کی تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ سورۃقرآن پاک کے تمام احکامات نظریہ اورعملیہ پہ مشتمل ہےاوراس میں خوش بخت اوربدبخت لوگوں کے مرتبے کی اطلاع بھی دی گئی ہے۔۔۔۔

سورۃالکنز،وافیہ اورکافیہ کہنے کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے کہ یہ سورت قرآن کریم کے تمام مقاصد پہ مشتمل ہے۔۔۔۔

سورت فاتحہ میں چونکہ حمد،شکر،دعااور تعلیم مسألۃ کا بھی بیان ہےاس لیےاسے سورۃالحمد،سورۃالشکر،سورۃالدعاءاور سورۃ تعلیم المسألۃ کہاجاتاہے۔۔۔۔

چونکہ نماز میں اس کوپڑھنامستحب یاواجب ہےاس لیےاسے سورۃالصلاۃ کہاجاتاہے۔۔۔۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نےاس سورت کے بارے میں فرمایا"""یہ ہربیماری کی شفاء ہے"""اس وجہ سےاسے سورۃالشافیہ اورسورۃالشفاء کہاجاتاہے۔۔۔۔

اس کو"""سبع مثانی""" بھی کہاجاتاہے کیونکہ بالاتفاق اس کی سات آیات ہیں لیکن اختلاف یہ ہے کہ بعض نے"""تسمیہ""" کو ایک علیحدہ آیت شمارکیاہےاور"""اَنعمت علیہم""" کوعلیحدہ آیت شمارنہیں کیاجبکہ بعض نے"""اَنعمت علیہم""" کوعلیحدہ آیت شمار کیاہےاور"""تسمیہ""" کوعلیحدہ آیت شمارنہیں کیا۔۔۔۔۔

اس کو"""سبع مثانی""" کہنے کی ایک اوروجہ یہ بھی ہے کہ یہ سات آیات((یعنی سورت فاتحہ))دومرتبہ نازل ہوئیں:::(1)مکہ میں نماز کے فرض ہونے کے وقت(2)مدینہ میں قبلہ کی تبدیلی کے وقت۔۔۔۔

((بیان الخلاف فی البسملۃ أنہامن الفاتحۃ أم لا))

سوال::: کیا"""تسمیہ"""سورت فاتحہ کاحصہ یااس کی آیت ہے؟؟؟

جواب::: اس میں علماء کااختلاف ہے:::

مکہ اورکوفہ کے فقہاءاورقراء،ابن مبارک اورامام شافعی رحمہم اللہ کاکہناہے کہ تسمیہ سورۃالفاتحہ کاجزءہے،،مدینہ،بصرہ شام کے فقہاءاورقراءاورامام مالک کامؤقف ہے کہ تسمیہ سورۃالفاتحہ کاجزءنہیں ہے،،امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ سےاس حوالے سے

کوئی نص وارد نہیں ہوئی اور امام صاحب کے بارے میں یہ گمان کیا گیا ہے کہ ان کے نزدیک بھی تسمیہ سورۃ الفاتحہ کا جزء نہیں ہے ،،امام محمد بن حسن شیبانی سے اس حوالے سے پوچھا کہ بسم اللہ قرآن کا جزء ہے یا نہیں؟؟؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ جو دو گتوں کے درمیان ہے وہ اللہ کا کلام ہے۔۔۔۔

((دلائل جزئیۃ التسمیۃ من الفاتحۃ))

ضروری نوٹ!!! تفسیر بیضاوی کے مصنف چونکہ شافعی ہیں اور ان کے نزدیک تسمیہ سورۃ الفاتحہ کا جزء ہے لہذا یہ اس فصل میں اپنے مؤقف پہ دلائل دیں گے ،،اگرچہ احناف نے ان کا رد کیا ہے۔۔۔۔

سوال::: تسمیہ سورۃ الفاتحہ کا جزء ہے ،،اس پہ دلائل دیں۔۔۔۔

جواب::: مصنف اس بات پہ چار دلائل دیتے ہیں:::

(1) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا """سورۃ الفاتحہ کی سات آیات ہیں ان میں سے پہلی """بسم اللہ الرحمٰن الرحیم """ ہے۔۔۔۔

(2) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کی اور """بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ رب العالمین """ کو ایک آیت شمار کیا۔۔۔۔

ان دونوں احادیث کی وجہ سے شوافع میں یہ اختلاف پیدا ہو گیا کہ کیا بسم اللہ ایک مستقل آیت ہے یا آیت کا جزء ہے؟؟؟ کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بسم اللہ ایک مکمل و مستقل آیت ہے جبکہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تسمیہ ایک مستقل آیت نہیں بلکہ آیت کا جزء ہے ،، لیکن شوافع کے نزدیک راجح یہی ہے کہ تسمیہ ایک مستقل آیت ہے۔۔۔۔

(3) اس بات پر اجماع ہے کہ جو دونوں گتوں کے درمیان ہے وہ اللہ کا کلام ہے لہذا ثابت ہوا کہ بسم اللہ بھی سورۃ الفاتحہ کا جزء ہے۔۔۔۔

(4) اس بات پہ امت کا اتفاق ہے کہ بسم اللہ سورۃ الفاتحہ کا جزء ہے ،، کیونکہ قرآن کو غیر قرآن سے خالی کرنے کا اہتمام بڑی شدت سے کیا گیا ہے اسی وجہ سے قرآن میں """آمین """ کو بھی نہیں لکھا گیا کیونکہ یہ قرآن کا حصہ نہیں ہے لیکن تسمیہ کو لکھا گیا ہے اور اس کو لکھنے پہ پوری امت کا اتفاق بھی ہے لہذا ثابت ہوا کہ تسمیہ سورۃ الفاتحہ کا جزء ہے۔۔۔۔۔

((احناف کی جانب سے ان چاروں دلائل کا رد بھی کیا گیا ہے))۔۔۔۔۔

((بیان متعلق حرف """الباء""" فی التسمیۃ))

سوال::: تسمیہ میں """ باء """ حرف جار کس کے متعلق ہے؟؟؟

جواب::: حرف جار کسی خاص فعل محذوف کے متعلق ہو گا ،، تقدیری عبارت یوں گی """بسم اللہ اقرء """۔۔۔۔

سوال::: یہاں حرف جار کو کسی خاص فعل محذوف کا متعلق کیوں بنایا گیا؟؟؟ کسی عام فعل یا لفظ """ابتدائی""" کے متعلق بھی کیا جاسکتا تھا۔۔۔۔

جواب::: یہاں خاص فعل کو اس لیے متعلق مانا گیا ہے کہ یہ مابعد کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے اور اس پہ دلالت کرتا ہے،، اب یہاں """اقرء""" کو متعلق بنایا گیا کیونکہ بسم اللہ کے بعد جو چیز آرہی ہے اس کی قرأت کی جائے گی یوں ان میں مطابقت پائی گئی اور فعل خاص کو متعلق بنایا گیا۔۔۔ اسی طرح ہر اس فعل خاص کو مقدر مانا جاسکتا ہے جس کے لیے بسم اللہ کو مبدأ بنایا جارہا ہے۔۔۔۔۔

فعل عام """أبدأ""" کو مقدر نہیں مانا گیا کیونکہ یہ مابعد کے ساتھ مطابقت بھی نہیں رکھتا اور اس پہ دلالت بھی نہیں کرتا۔۔۔۔

اسی طرح """ابتدائی""" کو بھی مقدر نہیں مانا گیا کیونکہ اس صورت میں اضمار کی کثرت ہے،، مثلاً اگر """ابتدائی""" کو مقدر مانا جاتا تو عبارت یوں ہونی تھی """بسم اللہ ابتدائی""" اور پھر حرف جار کو کسی فعل یا شبہ فعل کے متعلق کر کے خبر مقدم بنایا جاتا اور """ابتدائی""" کو مبتداء مؤخر بنایا جاتا تو یوں اس میں کثرت اضمار پائی جارہی ہے اس وجہ سے اس کو """باء""" کا متعلق نہیں بنایا گیا اور دوسری بات کہ """ابتدائی""" بھی مابعد سے مطابقت نہیں رکھتا اور نہ ہی اس پہ دلالت کرتا ہے۔۔۔۔

((فوائد تقدیم المعمول))

سوال::: """بسم اللہ""" میں جس عامل کو مقدر مانا گیا ہے اسے مؤخر کیوں کیا گیا ہے؟؟؟ حالانکہ عامل کو پہلے آنا چاہیے اور معمول کو بعد میں آنا چاہیے۔۔۔۔

جواب::: یہاں معمول کا مقدم کرنا زیادہ بہتر ہے جیسا کہ """بسم اللہ مجریھا""" اور """ایاک نعبد""" میں مقدم کیا گیا ہے۔۔۔۔

بسم اللہ میں معمول کو مقدم کرنا زیادہ بہتر ہے اس کی چار وجوہات ہیں:::

(1)اہم

اللہ پاک کا اسم زیادہ اہم ہے اس لیے اسے مقدم کیا گیا ہے۔۔۔۔

(2)اختصاص پہ زیادہ دلالت کرنے کی وجہ سے،، قاعدہ یہ ہے کہ وہ چیز جس کو بعد میں آنا چاہیے اگر وہ پہلے آجائے تو حصر اور اختصاص کا فائدہ دیتی ہے۔۔۔۔

(3)اسم جلالت کو عامل پہ مقدم کرنے میں زیادہ تعظیم پائی جارہی ہے۔۔۔۔

(4)یہ وجود کے زیادہ موافق ہے،، یعنی اللہ پاک کا اسم تمام اسماء سے پہلے وجود میں آیا،، لہذا اس کو لکھنے میں بھی پہلے لے آئے تاکہ یہ اپنے وجود کے موافق ہو جائے۔۔۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ پاک کا اسم تمام افعال کے لیے ایک آلہ کی حیثیت رکھتا ہے

کیونکہ اسم باری تعالیٰ کے بغیر کوئی بھی فعل مکمل اور معتبر نہیں ہے وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا""ہر وہ عظیم الشان کام جس کی ابتداء اللہ کے نام سے نہ کی جائے وہ ناقص ہے""،،المختصر یہ کہ اللہ پاک کا اسم تمام افعال کے لیے آلہ ہے اور آلہ ذی آلہ پہ مقدم ہوتا ہے لہذا تسمیہ میں بسم اللہ کو اس کے عامل پہ مقدم کر دیا گیا کہ جس طرح""آلہ""ذی آلہ پہ مقدم ہوتا ہے اسی طرح اسم باری تعالیٰ بھی اپنے عامل پہ مقدم ہو جائے۔۔۔۔۔

((بیان معنی الباء))

سوال::: ""بسم اللہ""کی باء کا استعانت کے علاوہ اور کون سا معنی پایا جاتا ہے؟؟؟

جواب::: کہا گیا ہے کہ""باء""مصاحبت کے لیے ہے اور معنی یہ ہو گا کہ""میں اللہ کے نام سے برکت حاصل ہوئے پڑھ رہا ہوں""۔۔۔

سوال::: تسمیہ اور سورۃ الفاتحہ تو اللہ پاک کا کلام ہے،،اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ پاک اپنے نام سے برکت اور مدد مانگ رہا ہے ،،اپنی تعریف اور اپنی عبادت خود ہی کر رہا ہے اور اپنی ہی ذات سے اپنے لیے دعا کر رہا ہے،،یہ بات اللہ پاک جیسی ذات کے حق میں کیسے درست ہو سکتی ہے؟؟؟

جواب::: اللہ پاک نے یہ کلام بندوں کو سکھانے کے لیے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے بندے جان لیں کہ کس طرح اللہ پاک کے نام سے برکت حاصل کرنی ہے،، کس طرح اس کی نعمتوں کی تعریف کرنی ہے اور کس طرح اس سے فضل و کرم کا سوال کرنا ہے۔۔۔۔۔

((بیان اعراب الباء))

سوال::: ""بسم اللہ""میں باء کو کسرہ کیوں دیا گیا ہے؟؟؟ حالانکہ یہ حروف مفردات میں سے ہے اور انہیں فتح دیا جاتا ہے۔۔۔۔

جواب::: تسمیہ میں""باء""کو کسرہ دیا گیا ہے کیونکہ اس کے لیے حرف ہونا اور اپنے مابعد کو کسرہ دینا لازمی ہے تو چونکہ حرف اور جر کے لیے کسرہ زیادہ مناسب ہے لہذا باء کو کسرہ دے دیا گیا((حرف کے لیے کسرہ اس طرح مناسب ہے کہ حرف حرکت کے نہ ہونے کا تقاضا کرتا ہے اور کسرہ بھی اپنے قلیل الاستعمال کی وجہ سے عدم کے درجہ میں ہے کیونکہ یہ افعال اور غیر منصرف وغیرہ میں نہیں پایا جاتا،، تو جس طرح حرف""عدم حرکت""کا تقاضا کرتا ہے اسی طرح کسرہ بھی عدم کے درجہ میں ہے یوں یہ حرف کے لیے زیادہ مناسب ہے،، جر کے لیے کسرہ اس طرح مناسب ہے کہ جر""حرف جار""کا اثر ہے اور مؤثر یعنی حرف جار کسرہ سے مناسبت رکھتا ہے تو چونکہ اثر اور مؤثر میں مناسبت پائی جاتی ہے اس لیے جر اپنے مؤثر کے واسطے سے کسرہ کے لیے مناسب ہے))المختصر یہ کہ باء کو حرفیت اور جر کے ساتھ لازم ہونے کی وجہ سے کسرہ دیا گیا ہے جس طرح""لام امر""کو کسرہ

دیا گیا ہے تاکہ وہ لام ابتداء سے ممتاز ہو جائے اور وہ """لام اضافت """جو اسم ظاہر پہ داخل ہوتا ہے اسے بھی کسرہ دیا گیا ہے تاکہ وہ لام تاکید سے ممتاز ہو جائے۔۔۔۔

((بیان الاختلاف فی اصل الاسم))

سوال::: لفظ """اسم """ کے حوالے سے بصریوں کا کیا مذہب ہے؟؟؟

جواب::: بصریوں کا کہنا ہے کہ یہ اصل میں """سمو """ تھا اور کثرت استعمال کی وجہ سے """سمو """ نے خفت کا تقاضا کیا،، چنانچہ خفت کے لیے آخری حرف """واؤ """ کو حذف کر دیا اور پہلے حرف """سین """ کو ساکن کر دیا،، اب عربوں کا یہ طریقہ ہے کہ وہ متحرک سے ابتداء کرتے ہیں ساکن سے ابتداء نہیں کرتے کیونکہ ساکن سے ابتداء کرنا محال ہے اس لیے شروع میں ہمزہ وصل کا اضافہ کر کے اسے """اسم """ بنا دیا گیا۔۔۔۔

سوال::: مصنف نے """اسم """ کے ناقص ہونے پہ کیا دلیل دی ہے؟؟؟

جواب::: ((مصنف چونکہ بصریوں کے حق میں ہیں اور کوفیوں کے مذہب کے خلاف ہیں،، کوفیوں کا کہنا ہے کہ """اسم """ مثال واوی ہے یعنی اس کی اصل """وسم """ تھی جبکہ بصریوں کے نزدیک """اسم """ ناقص واوی ہے یعنی اس کی اصل """سمو """ ہے،، تو اب مصنف نے کوفیوں کے مذہب کے خلاف بصریوں کے موقف کی تائید میں دلیل دی ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہے))

مصنف کا کہنا ہے کہ اسم کی جمع """اسماء """ ہے،، جمع الجمع """أسامی """ آتی ہے،، اس کی تصغیر """سمی """ آتی ہے اور فعل مجہول """سمیت """ آتا ہے۔۔۔ اس سے ثابت ہوا کہ """اسم """ ناقص ہے،، ان دلائل کے علاوہ ایک شاعر نے اپنے شعر اسم کی ایک لغت """سمی """ بھی استعمال کی ہے،، چنانچہ شاعر کا کہنا ہے:::

واللہ أسماک سمی مبارکا

آثرک اللہ بہ ایثارکا

ترجمہ::: اللہ نے تیرا مبارک نام رکھا اور اس نام کے رکھنے میں تجھے ترجیح دی۔۔۔۔

المختصر یہ ہے کہ ان دلائل سے ثابت ہوا کہ """اسم """ ناقص ہے مثال نہیں جیسا کہ کوفیوں کا کہنا ہے۔۔۔۔

مصنف نے چونکہ اسم کے ناقص ہونے پہ مثالیں دے کر دلیل دی ہے تو کوفیوں کی جانب سے ایک اشکال ہے کہ اسم کی جمع اصل میں """اوسام """ تھی نہ کہ """اسماء """ لیکن قلب کر کے اوسام سے اسماء بنا لیا گیا ہے اور دیگر مثالوں میں بھی اسی طرح قلب ہوا ہے۔۔۔۔

اس کا جواب مصنف دیتے ہیں کہ قلب بعید ہے اور شاذ ہے کیونکہ قلب اتنا عام نہیں ہے اور یہ بات ممکن نہیں کہ کسی لفظ کے تمام صیغوں میں قلب کیا جائے،،اسم کو اسم اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ """سمو""" سے مشتق ہے جس کا مطلب ہے """بلندی""" ،،تو چونکہ اسم اپنے مسمی کے لیے بلندی کا سبب ہے اس لیے اسے اسم کہتے ہیں۔۔۔۔

سوال::: کوفیوں کا """اسم""" کے بارے میں کیا مذہب ہے؟؟؟

جواب::: کوفیوں کا کہنا ہے کہ """اسم """سمۃ سے مشتق ہے اور سمۃ کی اصل """وسم """ ہے،،وسم کے شروع سے واؤ کو حذف کیا اور اس کے بدلے میں ہمزہ وصلی لے آئے تاکہ تعلیل کم ہو،،یوں یہ وسم سے """اسم """بن گیا،،کوفیوں کے نزدیک اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ """سمۃ"""کا مطلب ہے """علامت """،،تو چونکہ اسم اپنے مسمی کے لیے علامت ہوتا ہے لہذا یہ """وسم """ سے مشتق ہے۔۔۔۔

سوال::: مصنف نے کوفیوں کے مذہب کا رد کس طرح کیا ہے؟؟؟

جواب::: مصنف کا کہنا ہے کہ یہ طریقہ جو کوفیوں نے اختیار کیا یعنی """وسم """کا واؤ حذف کر کے ہمزہ وصلی لگا کر """اسم """ بنا دیا ہے یہ طریقہ عربوں کے ہاں رائج نہیں ہے،،بلکہ عرب آخری حرف کو حذف کر کے اس کے بدلے شروع میں ہمزہ وصلی لاتے ہیں جبکہ کوفیوں نے پہلے حرف کو حذف کیا ہے۔۔۔۔

اگرچہ کوفیوں کے طریقے میں تعلیل کم ہے لیکن عربوں کے طریقے کے خلاف ہے لہذا اس کو قبول نہیں کیا جائے گا۔۔۔۔۔۔

((بیان الخلاف فی أن الاسم عین المسمی او غیرھا))

سوال::: بسم اللہ میں """اسم """ سے مراد عین مسمی ہے یا غیر مسمی؟؟؟

جواب::: اسم وہ لفظ ہوتا ہے جو کسی ذات کے لیے وضع کیا گیا ہو اور مسمی اس ذات کو کہتے ہیں جس کے لیے اسم وضع کیا گیا ہو،، اب بسم اللہ میں اسم سے مراد عین مسمی ہے یا غیر مسمی اس میں معتزلہ اور اشاعرہ کا اختلاف ہے۔۔۔

سوال::: اشاعرہ کا اسم کے حوالے سے مؤقف اور دلیل لکھیں۔۔۔۔

جواب::: اشاعرہ کا مؤقف ہے کہ بسم اللہ میں اسم عین مسمی ہے،،دلیل دو آیات ہیں:::

(1)تبارک اسم ربک

ترجمہ::: تیرے رب کا نام برکت والا ہے۔۔۔۔

(2)سبح اسم ربک

ترجمہ::: اپنے رب کے نام کی تسبیح کرو۔۔۔۔

ان دونوں آیات میں برکت اور تسبیح کی نسبت اسم کی طرف کی گئی جبکہ برکت والا ہونا اور تسبیح کیے جانے کے لائق صرف اللہ پاک ہے،، لہذا ثابت ہوا کہ اسم باری تعالیٰ ہی ذات باری تعالیٰ ہے،، اگر اسم غیر مسمی ہوتا تو اس کی طرف برکت اور تسبیح کی نسبت نہ کی جاتی،، چنانچہ اب مطلب یہ ہوا کہ اللہ پاک برکت والا ہے اور اللہ پاک کی تسبیح بیان کرو۔۔۔۔

سوال::: معتزلہ کا اسم کے حوالے سے مؤقف اور دلیل لکھیں۔۔۔۔

جواب::: معتزلہ کا کہنا ہے کہ اسم عین مسمی نہیں ہے بلکہ غیر مسمی ہے۔۔۔۔

دلیل یہ ہے کہ اسم ان آوازوں سے مرکب ہوتا ہے جو غیر مجتمع ہوں،، اور زمانوں اور امتوں کے تبدیل ہونے سے اسماء مختلف ہوتے رہتے ہیں جیسے سریانی زبان میں اللہ پاک کے لیے """الہ """ استعمال ہوتا ہے اور فارسی زبان میں """خدا""" استعمال ہوتا ہے،، اگر اسم کو عین مسمی مانیں تو اس صورت میں یہ خرابی یہ لازم آئے گی کہ اللہ پاک کو مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے تو یوں اس کی ذات کا بھی متعدد ہونا لازم آئے گا جبکہ یہ باطل ہے کیونکہ اللہ کی ذات وحدہ لاشریک ہے،، لہذا یہ ثابت ہوا کہ اسم عین مسمی نہیں بلکہ غیر مسمی ہے۔۔۔۔۔

سوال::: معتزلہ کی جانب سے اشاعرہ کا کیا رد کیا گیا ہے؟؟؟

جواب::: اشاعرہ نے چونکہ اپنے مؤقف کی دلیل کے طور پر دو آیات کو پیش کیا تھا جس میں اسم کو بابرکت کہا گیا تھا اور اسم کی پاکی بیان کرنے کا حکم دیا گیا تھا،، معتزلہ کا کہنا ہے کہ یہاں اسم سے مراد غیر مسمی ہے کیونکہ جس طرح اللہ پاک کی ذات برکت والی ہے اسی طرح اس کا نام بھی برکت والا ہے اور جس طرح اللہ کی پاکی بیان کرنا لازم ہے اسی طرح اس ذات کے وضع کیے گئے الفاظ کی پاکی بیان کرنا بھی لازم ہے۔۔۔۔

یا ان آیات میں لفظ """اسم """ زائد ہے جیسا کہ شاعر کے اس شعر """الی احول ثم اسم السلام علیکما""" میں ہے۔۔۔۔۔

سوال::: اگر اسم سے مراد صفت لیا جائے تو اس کی کتنی اور کون سی اقسام بنیں گی؟؟؟

جواب::: اگر اسم سے مراد صفت لیا جائے تو اس کی بھی تین اقسام بنیں گی:::

(1) صفت عین مسمی ہو گی مثلا::: وجود

(2) صفت غیر مسمی ہو گی مثلا::: خالق

(3) صفت نہ عین مسمی ہو گی اور نہ غیر مسمی مثلا::: علم

سوال::: """بسم اللہ """ میں لفظ اسم کیوں لایا گیا؟؟؟ ڈائریکٹ """ باللہ """ کیوں نہیں لکھا گیا؟؟؟

جواب::: اس بات کے مصنف نے دو جوابات دیے ہیں:::

(1) اللہ پاک کی ذات انتہائی عظمت و شان والی ذات ہے تو یوں اسم کے واسطے کے بغیر ڈائریکٹ اس ذات سے مدد مانگنا اور برکت حاصل کرنا بڑی جرات والی بات ہے اس لیے درمیان میں اسم کا واسطہ لائے۔۔۔۔۔

(2)لفظ اسم کو لانے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ باء کی دو اقسام ہیں:::(1)یمین (2)تیمن،،ان دونوں میں فرق کرنے کے لیے لفظ """اسم """کا اضافہ کر دیا گیا کیونکہ یمین والی باء صرف اسم جلالت پہ داخل ہوتی ہے مثلا::: باللہ،، یہاں باء تیمن ہے کیونکہ یہ لفظ """اسم """ پہ داخل ہوئی ہے۔۔۔۔

سوال::: """بسم اللہ """کو """ باسم اللہ """کیوں نہ لکھا گیا؟؟؟

جواب::: بسم اللہ میں اسم کا ہمزہ وصلی رسم الخط کے مطابق کثرت استعمال کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے اور اس کے عوض """ باء """کو لمبا کر دیا گیا ہے۔۔۔۔

((مباحث اسم الجلالۃ))

((بیان اصل اسم الجلالۃ من ناحیۃ الاعلال والاشتقاق))

سوال::: لفظ """اللہ """کس زبان کا لفظ ہے؟؟؟

جواب::: اس کے بارے میں دو مذاہب ہیں:::

(1)عربی زبان کا لفظ ہے۔۔۔۔

(2)سریانی زبان کا لفظ ہے۔۔۔۔

سوال::: اگر یہ لفظ عربی زبان کا ہے تو اس کی اصل کیا تھی؟؟؟ نیز اس کا مشتق منہ بیان کریں۔۔۔۔

جواب::: یہ اصل میں """الہ """تھا،، ہمزہ کو حذف کیا گیا اور اس کے عوض الف لام لگا کر """اللہ """بنا دیا گیا،، اپنے اصلی معنی کے اعتبار سے یہ ہر معبود کے بولا جاتا ہے لیکن پھر کثرت استعمال کی وجہ سے معبود برحق کے ساتھ خاص ہو گیا۔۔۔۔

مشتق منہ کے بارے مختلف اقوال:::

یہ الہ ((بفتح الھمزۃ والفاء)) سے مشتق ہے اور عبد کے معنی میں ہے۔۔۔۔۔

الہ ((بکسر اللام)) سے مشتق ہے،، اس کا مطلب ہے متحیر ہونا،، پس عقلیں بھی اللہ پاک کی معرفت حاصل کرنے میں متحیر ہیں۔۔۔۔

الھت الی فلان سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے میں نے فلاں سے سکون حاصل کیا،، پس خدا کو بھی الہ اس لیے کہتے کیونکہ اس کے ذکر سے دلوں کو چین ملتا ہے۔۔۔۔۔

یہ """الہ """ سے ماخوذ ہے اور اس کے بعد لفظ """آلھ """آتا ہے جس کا مطلب ہے مصیبت میں گھرے شخص کو پناہ دینا،، پس معبود کو """الہ """اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ مصیبت زدہ شخص معبود کی پناہ طلب کرتا ہے اور معبود اسے پناہ دیتا ہے۔۔۔۔۔

یا یہ """الہ الفصیل """ سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے ماں کا مشتاق ہونا،، پس معبود کو الہ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ بندے مصیبت کے وقت گڑگڑا کر اس سے دعا کرتے ہیں اور اس کے مشتاق ہوتے ہیں۔۔۔۔

((یہ اوپر والے پانچ اقوال کے مطابق اسم جلالت مہموز ہے))۔۔۔۔۔

یہ مثال واوی ہے اور """ولہ""" سے مشتق ہے جس کا معنی ہے """مخبوط العقل ہو جانا"""۔۔۔۔یعنی الہ اصل میں ولاہ تھا،، لیکن مصنف نے اس قول کو رد کر دیا ہے کیونکہ """الہ""" کی جمع آلھۃ آتی ہے اگر اس کی اصل ولاہ ہوتی تو اس کی جمع اولھۃ آنی تھی۔۔۔۔

یہ اجوف ہے اور """لاہ""" سے مشتق ہے،،اس کے دو معنی ہیں(1)پوشیدہ ہونا(2)بلند ہونا،،اور یہ دونوں معنی ذات باری تعالٰی میں پائے جاتے ہیں کیونکہ وہ لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ بھی ہے اور ہر چیز سے بلند ہے۔۔۔۔

سوال::: اگر اسم جلالت کو سریانی زبان سے مانا جائے تب اس کی اصل کیا ہو گی؟؟؟

جواب::: ایک قول کے مطابق یہ سریانی زبان کا لفظ ہے اور اس کی اصل """لاھا""" ہے،، پھر آخر سے الف حذف کر دیا گیا اور شروع میں الف لام کو داخل کر کے اس کی تعریب کر لی گئی۔۔۔۔

سوال::: لفظ """اللہ""" کو کب پر اور باریک پڑھا جائے گا؟؟؟

جواب::: اگر اس سے پیچھے والا حرف مفتوح یا مضموم ہو گا تب اسے پر پڑھا جائے گا اور اگر ما قبل مکسور ہو گا تب اسے باریک پڑھا جائے گا لیکن بعض کہتے ہیں کہ اسے ہر حالت میں پر پڑھا جائے گا۔۔۔۔

((بیان المذاھب فی اسم الجلالۃ أنہ علم او صفۃ))

سوال::: لفظ """اللہ""" علم ذاتی ہے یا وصف؟؟؟

جواب::: بعض کے نزدیک یہ علم ذاتی ہے،،وہ اپنے اس مؤقف پہ تین دلائل دیتے ہیں:::

(1)یہ صفت نہیں بنتا بلکہ موصوف بنتا ہے لہذا اس کا اسم ہونا ثابت ہو گیا۔۔۔۔

(2)اللہ کا کوئی ایسا اسم ہونا چاہیے جس پہ تمام صفات جاری ہو سکیں اور اس کے علاوہ اور کوئی ایسا اسم نہیں ہے،،پس ثابت ہوا یہ لفظ اسم ہے اور چونکہ اللہ ذات باری تعالٰی کے ساتھ خاص ہو گیا ہے پس اس کا علم ہونا بھی ثابت ہو گیا۔۔۔۔

(3)اگر اس کو وصف مانا جائے تو """لا الہ الا اللہ""" توحید کا فائدہ نہیں دے گا جس طرح """لا الہ الا الرحمن""" سے توحید کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ صفت میں عموم ہوتا ہے۔۔۔

مصنف نے کے نزدیک زیادہ راجح قول یہ ہے کہ لفظ """اللہ""" حقیقت میں وصف ہے لیکن جب اس کا استعمال ذات باری تعالٰی کے لیے خاص ہو گیا تو یہ تین چیزوں میں علم کی طرح ہو گیا(1)تمام صفات کا موصوف بننے میں(2)خود صفت نہ بننے میں(3) اشتراک کا احتمال نہ رکھنے میں((پیچھے جو دو اعتراض ہوئے تھے کہ اگر یہ وصف ہے تو کسی کی صفت کیوں نہیں بنتا اور اس کو وصف ماننے کی صورت میں توحید کا فائدہ حاصل نہیں ہو گا وہ دونوں اعتراض باطل ہو گئے))۔۔۔۔

اب مصنف اس مذھب کی تائید میں دلیل دے رہے ہیں،، پہلی دلیل یہ ہے کہ علم ایسی ذات کا ہوتا ہے جس کا تصور ذہن میں موجود ہو اور اللہ پاک کا تصور وصف کے بغیر ممکن نہیں لہذا لفظ """اللہ """علم نہیں بن سکتا بلکہ حقیقت میں یہ وصف ہے لیکن بعد میں ذات باری تعالٰی کے ساتھ خاص ہونے کی بناء پر یہ علم کے قائم مقام ہو گیا۔۔۔۔۔

دوسری دلیل یہ دیتے ہیں کہ اگر اسے علم ذاتی مانا جائے تو اس آیت کا مطلب درست نہیں بنے گا """وھو اللہ فی السماوات """ کیونکہ اس صورت میں آسمان ظرف بن جائے گا اور اللہ پاک کا متجسم ہونا لازم آئے گا جو کہ اس کی شایانِ شان نہیں،، پس ثابت ہوا کہ لفظ """اللہ """علم نہیں ہے۔۔۔۔

((مباحث صفات اسم الجلالۃ))

((بحث لغوی))

سوال::: """رحمن اور رحیم """کون سے صیغے ہیں؟؟؟ نیز یہ کس سے مشتق ہیں؟؟؟

جواب::: رحمن اور رحیم مبالغہ کے صیغے ہیں اور یہ """رحم """((بکسر الحاء))سے مشتق ہیں۔۔۔۔

سوال::: رحمت کا لغوی معنی بیان کریں۔۔۔۔

جواب::: لغت میں رحمت کا مطلب::: وہ رقت قلب((دل کی نرمی))اور نفس کا میلان جو فضل واحسان کا تقاضا کرے((یعنی انسان کو فضل واحسان کرنے پہ آمادہ کرے))۔۔۔۔

رحم یعنی بچہ دانی بھی اسی سے ماخوذ ہے کیونکہ یہ اپنے اندر موجود چیز((یعنی بچے))پہ مہربان ہوتا ہے۔۔۔۔

((ضابطہ کلیہ فی اطلاق الألفاظ علی اللہ تعالٰی))

سوال::: رحمت کا مطلب ہے """دل کا نرم ہونا اور نفس کا مائل ہونا """جبکہ یہ دونوں چیزیں یعنی دل اور نفس اللہ پاک کی شایانِ شان نہیں کیونکہ یہ دونوں حادث ہیں جبکہ ذات باری تعالٰی قدیم ہے،، لہذا رحمن ورحیم کو اللہ پاک کی صفات بنانا درست نہیں ہے۔۔۔۔۔

جواب::: اللہ پاک کے لیے اسماء کا اطلاق غایات کے طور پر ہوتا ہے مبادی کے اعتبار سے نہیں۔۔۔۔

غایات سے مراد وہ آثار جو احوال کی وجہ سے صادر ہوتے ہیں مثلا::: """غضب """کا اثر یہ ہے کہ جس پہ غضب کیا گیا ہے اسے نقصان پہنچانا،، رحمت کا اثر احسان کرنا ہے،، حیاء کا اثر برے کاموں سے بچنا ہے،، تو اللہ پاک کے لیے اسماء کا اطلاق غایات و آثار کے طور پر ہوتا ہے چنانچہ اللہ پاک پر رحمن ورحیم کے اطلاق کے لیے اس کا احسان کرنے والا ہونا کافی ہے یعنی اللہ پاک پہ اس لیے رحمن ورحیم کا اطلاق ہوا ہے کیونکہ وہ لوگوں پہ انعام واحسان کرتا ہے،، لہذا مذکورہ بالا بحث سے ثابت ہوا کہ رحمن ورحیم کا اللہ پاک کی صفات بنانا درست ہے۔۔۔۔۔

((بیان أبلغیۃ صیغۃ """الرحمن """مع الدلائل))

سوال::: رحمن ورحیم میں سے کون سی صفت زیادہ بلیغ ہے؟؟؟تفصیل سے بیان کریں۔۔۔۔

جواب::: """رحمن"""رحیم سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ الفاظ کی زیادتی معنی کی زیادتی پہ دلالت کرتی ہے،،مثلا::: قطع کا معنی ہے کاٹنااور قطع((بالتشدید))کا معنی ہے بار بار کاٹنا،،کبار کا معنی ہے """بڑا"""اور کبار((بالتشدید))کا معنی ہوگا بہت بڑا۔۔۔۔

معنی کی زیادتی دو اعتبار سے ہوتی ہے:::

(1)کمیت کے اعتبار سے

(2)کیفیت کے اعتبار سے

کمیت کا مطلب ہے تعداد کا زیادہ ہونااور کیفیت کا مطلب ہے قوت کا زیادہ ہونا

اگر کمیت کا اعتبار کیا جائے تو کہا جائے گا """یا رحمن الدنیاورحیم الآخرۃ"""،،اس مثال میں کمیت کا اعتبار کیا گیا ہے اور اس کا مطلب تعداد یا افراد کا زیادہ ہونااور """رحمن"""کو دنیا کے ساتھ اس لیے خاص کیا کیونکہ اس میں زیادہ مبالغہ ہے اور دنیا میں اللہ کی رحمت مؤمنین اور کفار سب کے لیے ہے اور رحیم میں چونکہ رحمن کی بنسبت کم مبالغہ ہے اس لیے اسے آخرت کے ساتھ ذکر کیا کیونکہ آخرت میں رحمت کم افراد یعنی صرف مسلمانوں پہ ہی ہوگی۔۔۔۔

اگر کیفیت کا اعتبار کیا جائے تو کہا جائے گا """یا رحمن الدنیاوالآخرۃورحیم الدنیا"""کیونکہ آخرت کی نعمتیں بڑی ہیں اور دنیا کی نعمتیں بڑی بھی ہیں اور چھوٹی بھی۔۔۔۔

((اس مثال میں کیفیت کا اعتبار کرتے ہوئے رحمن کو دنیاوآخرت دونوں کی نعمتوں کے لیے بولا گیا کیونکہ اس میں مبالغہ زیادہ ہے اور رحیم کو صرف آخرت کی نعمتوں کے لیے بولا گیا کیونکہ اس میں مبالغہ کم ہے))۔۔۔۔

((بیان وجوہ تقدیم """الرحمٰن"""علی """الرحیم"""))

سوال::: رحمٰن میں رحیم کے مقابلے میں زیادہ مبالغہ ہے تو چاہیے تھا کہ رحمٰن کو رحیم کے بعد ذکر کیا جاتا کیونکہ ترقی ادنی سے اعلیٰ کی طرف ہوتی ہے نہ کہ اعلی سے ادنی کی طرف۔۔۔۔

جواب::: رحمٰن کو رحیم پہ مقدم کرنے کی مصنف نے چار وجوہات ذکر کی ہیں:::

(1)کمیت کے اعتبار سے رحمن دنیا کی نعمتوں پہ دلالت کرتا ہے اور دنیا کی نعمتیں آخرت کی نعمتوں پہ مقدم ہیں لہذا رحمن کو رحیم کے مقدم کیا تاکہ یہ اپنے مدلول کے وجود کے موافق ہو جائے۔۔۔۔

(2)دوسری وجہ یہ ہے کہ رحمٰن علم کی طرح ہو گیا ہے اور اس کا اطلاق صرف اللہ پاک پہ ہوتا ہے غیر اللہ پہ نہیں ہوتا تو چونکہ علم وصف پہ مقدم ہوتا ہے لہذا رحمن علم کے مشابہ ہونے کی وجہ سے رحیم پہ مقدم ہو گیا۔۔۔

رحمٰن صرف اللہ کے ساتھ خاص ہے کیونکہ اس کا معنی ہے وہ منعم حقیقی((یعنی وہ حقیقی طور پر انعام کرنے والا))جو اپنی رحمت کی انتہاء تک پہنچا ہو اور یہ معنی غیر اللہ پہ صادق نہیں آتا کیونکہ اللہ کے علاوہ جتنے بھی انعام کرنے والے ہیں وہ اس کے عوض بدل

چاہتے ہیں خواہ وہ بدل آخرت میں بے شمار ثواب کے ذریعے ہو یا اس کے بدلے ان کی دنیا میں تعریف کی جائے یا انعام کر کے وہ اپنے ہم جنس کی رقت کو زائل کرنا چاہتے ہیں جو اس کی خستہ حالی کی وجہ سے اس پہ طاری ہو گئی یا وہ دل سے مال کی محبت کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔۔۔ حقیقی انعام کرنے والے کا معنی غیر اللہ پہ اس لیے بھی صادق نہیں آتا کیونکہ بندہ انعام کرنے میں محض ایک واسطے کی طرح ہے جبکہ ان نعمتوں کا حقیقی مالک، ان کو وجود میں لانے والا، نعمتوں کو حق داروں تک پہنچانے کی قدرت دینے والا، انعام کرنے پہ ابھارنے والا اور ان نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کی قدرت دینے والا صرف اور صرف اللہ پاک ہے۔۔۔۔۔

(3) کیفیت کا اعتبار کرتے ہوئے جب رحمن میں تمام بڑی بڑی نعمتیں شامل ہو گئیں تو رحیم کو ذکر کر دیا تاکہ وہ چھوٹی چھوٹی نعمتیں جو رحمٰن میں رہ گئی تھیں وہ شامل ہو جائیں۔۔۔۔۔

(4) رحیم کو رحمٰن کے بعد ذکر اس لیے کیا تاکہ سورۃ الفاتحہ کی تمام آیات کے آخری حروف کے وزن کی محافظت ہو جائے۔۔۔۔۔

((بیان عدم انصراف لفظ """الرحمٰن""))

سوال::: رحمٰن منصرف ہے یا غیر منصرف؟؟؟

جواب::: جواب سے پہلے تمہید سمجھ لیں۔۔۔۔

اگر الف نون زائدتان کسی اسم میں ہوں تو غیر منصرف ہونے کے لیے اس اسم کا علم ہونا شرط ہے مثلا::: نعمان، رمضان وغیرہ،، اور اگر الف نون زائدتان کسی وصف میں ہوں تو اس کے غیر منصرف ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی مؤنث فعلی یا فعلانۃ کے وزن پر ہو۔۔۔۔

جبکہ رحمٰن صرف اللہ کے ساتھ خاص ہے لہذا اس کی مؤنث نہیں آتی،، لیکن رحمن کو ان صفات کے ساتھ ملحق کر کے غیر منصرف قرار دیا گیا جن کی مؤنث اکثر فعلی کے وزن پہ آتی ہے۔۔۔۔۔

((بیان وجہ تخصیص البسملۃ بھذہ الاسماء))

سوال::: تسمیہ میں """اللہ، رحمٰن، رحیم""" کو ہی کیوں ذکر کیا گیا؟؟؟ ان کے علاوہ دوسرے اسماء بھی ذکر کیے جا سکتے تھے۔۔۔۔۔

جواب::: تسمیہ کو صرف انہی ناموں کے ساتھ خاص کیا گیا تاکہ عارف اس بات کو جان لے کہ تمام امور میں اسی سے مدد مانگنی چاہیے جو معبود حقیقی ہو اور تمام چھوٹی بڑی نعمتوں کا مالک ہو،، اور وہ عارف اپنی مکمل توجہ اللہ پاک کی طرف لگا دے،، توفیق کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لے اور اس کا باطن اللہ کے ذکر میں مشغول رہے اور وہ صرف اللہ سے مانگے۔۔۔۔۔

مباحث سورۃ الفاتحہ))

((بیان الفرق مابین الحمد والمدح والشکر))

سوال::: حمد مدح اور شکر کی تعریف بیان کریں۔۔۔۔

جواب:::

حمد کی تعریف::: کسی کی اختیاری خوبیوں پر زبان سے اس کی تعریف کرنا حمد کہلاتا ہے خواہ یہ تعریف نعمت کے مقابلے میں ہو یا نہ ہو۔۔۔۔۔

مدح کی تعریف::: مطلقاً زبان سے کسی کی خوبی کی تعریف کرنا خواہ وہ خوبی اختیاری ہو یا غیر اختیاری، کسی نعمت میں مقابلے میں ہو یا نہ ہو۔۔۔

شکر کی تعریف::: نعمت کے مقابلے میں زبان، عمل اور اعتقاد سے کسی کی تعریف کرنا شکر کہلاتا ہے۔۔۔

شاعر کہتا ہے:::

افادتکم النعماء منی ثلاثۃ

یدی ولسانی والضمیر المحجبا

ترجمہ::: تمہاری نعمتوں نے میری طرف سے تمہیں تین چیزوں کا فائدہ پہنچایا، میرے ہاتھ کا، میرے قول کا اور میرے پوشیدہ دل کا ((یعنی تم نے مجھ پہ جو نعمت کی تھی میں نے اس کے بدلے اپنے ہاتھ، زبان اور اعتقاد سے تمہارا شکریہ ادا کیا ہے))۔۔۔۔۔۔

سوال::: حمد اور مدح میں کون سی نسبت پائی جاتی ہے؟؟؟

جواب::: حمد اور مدح میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے،، حمد خاص ہے اور مدح عام ہے کیونکہ مدح اختیاری اور غیر اختیاری دونوں خوبیوں پہ کی جاتی ہے جبکہ حمد محض اختیاری خوبیوں پہ ہوتی ہے۔۔۔۔۔

اگر کسی نے زید کے علم کی تعریف کرنی ہے تو وہ یوں کہے گا""حمدت زیدا علی علمہ"" یہاں زید کے علم کی حمد کی گئی کیونکہ حمد ایک اختیاری خوبی ہے ((یہاں مدحت زیدا علی علمہ بھی آسکتا ہے کیونکہ اختیاری خوبی پہ بھی مدح ہو سکتی ہے))۔۔۔۔

اگر کسی نے زید کے حسن کی تعریف کرنی ہو تو وہ یوں کہے گا""مدحت زیدا علی حسنہ"" یہاں زید کے حسن کی مدح کی گئی ہے کیونکہ یہ غیر اختیاری خوبی ہے یہاں حمد نہیں کی جاسکتی کیونکہ حسن زید کے اختیار میں نہیں ہے۔۔۔۔۔

لیکن یہ بھی کہا گیا ہے کہ حمد اور مدح مترادف ہیں۔۔۔

سوال::: اگر شکر کو حمد اور مدح کے مقابلے میں رکھا جائے تو ان کے درمیان کون سی نسبت ہو گی؟؟؟

جواب::: اگر شکر کو حمد اور مدح کے مقابلے میں لایا جائے تو ان کے درمیان عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہو گی۔۔۔

ایک لحاظ سے شکر خاص ہو گا جبکہ حمد اور مدح عام ہوں گے جبکہ دوسری طرف سے دیکھا جائے تو شکر عام ہو گا اور حمد و مدح خاص ہوں گے۔۔۔۔

شکر اس اعتبار سے خاص ہے کہ یہ صرف نعمت کے مقابلے میں کیا جاتا ہے جبکہ حمد اور مدح کو نعمت اور غیر نعمت دونوں کے مقابلے میں کیا جاتا ہے۔۔۔۔

شکر اس اعتبار سے عام ہے کہ یہ عمل، قول اور اعتقاد تینوں طریقوں سے کیا جا سکتا ہے جبکہ حمد اور مدح کو محض زبان سے ادا کیا جاتا ہے۔۔۔۔۔

اعتراض::: آپ کا کہنا ہے کہ حمد اور شکر کے مابین عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے فرمان میں حمد کو شکر کی اصل قرار دیا ہے اور حمد کی نفی سے شکر کی نفی کر دی ہے ((یعنی جہاں حمد نہیں پائی جائے گی وہاں شکر بھی نہیں پایا جائے گا))۔۔۔۔۔

لہذا آپ کی بات درست نہیں۔۔۔۔

جواب::: حمد حقیقت میں شکر کی اصل نہیں ہے،، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حمد کو شکر کی اصل قرار دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حمد نعمتوں کو زیادہ ظاہر کرنے والی اور نعمتوں کے وجود پر زیادہ دلالت کرتی ہے کیونکہ اسے صرف زبان سے کیا جا سکتا ہے۔۔۔۔۔

شکر اعتقادی اور شکر عملی نعمتوں کو زیادہ ظاہر نہیں کرتے اور نہ ہی نعمتوں کے وجود پہ زیادہ دلالت کرتے ہیں وہ اس طرح کہ شکر اعتقادی دل سے ہوتا ہے اور شکر کرنے والے کے علاوہ کوئی دوسرا بندہ نہیں جان سکتا کہ یہ شکر کر رہا ہے اور شکر عملی میں احتمال ہوتا ہے مثلاً اگر کوئی شخص شکرانے کے نوافل پڑھ رہا ہو تو ہو سکتا ہے دوسرا شخص یہ سمجھے کہ یہ فرض نماز ادا کر رہا ہے جبکہ حقیقت میں وہ شکرانے کے نوافل پڑھ رہا تھا لہذا شکر اعتقادی میں پوشیدگی ہے اور شکر عملی میں احتمال ہے اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حمد کو شکر کی اصل قرار دیا۔۔۔۔

سوال::: ذم اور کفران کا الٹ کیا ہے؟؟؟

جواب::: ذم کا الٹ یا متضاد حمد ہے جبکہ کفران کا متضاد شکر ہے۔۔۔۔۔

((بیان اعراب """الحمد للہ"""))

سوال::: سورۃ الفاتحہ میں """الحمد للہ""" کا کیا اعراب ہے؟؟؟ اور اس کی اصل کیا ہے؟؟؟

جواب::: """الحمد""" مبتداء ہے جس کی بناء پر اسے مرفوع پڑھا گیا ہے اور """للہ""" اس کی خبر ہے۔۔۔۔

اس کی اصل """نصب""" ہے،، یعنی """الحمد للہ""" اصل کے لحاظ سے منصوب تھا،، اس کی اصل عبارت یوں تھی """نحمد الحمد للہ"""۔۔۔۔

سوال::: اگر """الحمد للہ""" کی اصل منصوب تھی تو پھر رفع کی طرف کیوں عدول کیا؟؟؟

جواب::: رفع کی طرف اس لیے عدول کیا تاکہ یہ جملہ اسمیہ بن کر عموم اور ثبات پہ دلالت کرے،، اگر یہ حالت نصبی میں رہتا((یعنی جملہ فعلیہ ہی رہتا))تو پھر عموم اور ثبات کا فائدہ حاصل نہیں ہونا تھا کیونکہ جملہ فعلیہ تجدد اور حدوث پہ دلالت کرتا ہے۔۔۔۔۔۔

سوال::: """الحمد"""کون سے مصادر کی قبیل سے ہے؟؟؟

جواب::: یہ ایسے مصادر کی قبیل سے ہے جو افعال محذوفہ کی وجہ سے منصوب ہوتے ہیں لیکن افعال کے ساتھ ذکر ہو کر استعمال نہیں ہوتے۔۔۔۔۔

((بحث """ال"""فی """الحمد """))

سوال::: الحمد میں """الف لام"""کون سا ہے؟؟؟

جواب::: اس کے بارے میں دو قول ہیں:::

(1)یہ الف لام جنس کا ہے،، اگر جنس کا الف لام مانا جائے تو اس کا ترجمہ یوں ہو گا """جنس تعریف اللہ کے لیے ہے """،، الف لام جنس کا ماننے کی صورت میں حمد کی اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے جس کے بارے میں ہر شخص جانتا ہے کہ یہ حمد کی حقیقت ہے۔۔۔۔۔

(2)یہ الف لام استغراق کا ہے،، اس صورت میں ترجمہ یوں ہو گا """تمام تعریفیں حقیقی طور پر اللہ پاک کے لیے ہیں """۔۔۔۔۔۔

اعتراض::: آپ نے کہا کہ تمام تعریفیں حقیقی طور پر اللہ کے لیے ہیں جبکہ ایسا نہیں ہے تعریف تو غیر اللہ کی بھی کی جاتی ہے۔۔۔۔

جواب::: اللہ کے علاوہ کسی کی تعریف کرنا حقیقت میں اللہ ہی کی تعریف کرنا ہے کیونکہ تمام بھلائیاں اللہ ہی عطا کرتا ہے چاہے واسطے کے ساتھ کرے یا بغیر واسطے کے،، جیسا کہ اللہ پاک کا فرمان ہے:::

ترجمہ::: اور تمہارے پاس جتنی بھی نعمتیں ہیں سب خدا ہی کی جانب سے ہیں۔۔۔۔

سوال::: حمد کرنے کا کیا فائدہ ہے؟؟؟

جواب::: اللہ پاک کی حمد کرنے میں اس بات کا اشارہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا، وہ ہر ((ممکن))چیز پہ قادر ہے، وہ بالارادہ کام کرنے والا ہے، اور کوئی بھی چیز اس کے علم سے باہر نہیں،، اور حمد کی مستحق وہی ذات ہو گی جس میں یہ صفات پائی جائیں گی۔۔۔۔۔

((ذکر بعض القراءات """الحمد للہ """))

سوال::: """الحمد للہ """کو کن کن طریقوں سے پڑھا گیا ہے؟؟؟

جواب::: مصنف نے اس کے دو طریقے بیان کیے ہیں:::

(1)الحمد کی """دال""" کو للہ کے """لام""" کے تابع بنا کر """الحمد للہ """((بکسر الدال واللام))پڑھا گیا ہے۔۔۔

(2)للہ کے """لام""" کو الحمد کی """دال""" کے تابع بنا کر دونوں کو مضموم پڑھا گیا ہے((یعنی بضم الدال واللام))۔۔۔

لیکن یہ دونوں قرأتیں شاذ ہیں۔۔۔

اعتراض::: ایک حرف کو دوسرے حرف کی حرکت میں اس وقت تابع کیا جاتا ہے جب دونوں حروف ایک ہی کلمہ میں ہوں،، لیکن یہاں """الحمد """ایک علیحدہ کلمہ ہے اور """للہ """ایک علیحدہ کلمہ ہے تو ان دو کلمات کے حروف کو حرکت میں ایک دوسرے کے تابع کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟؟؟

جواب::: یہ قاعدہ بلکل درست ہے کہ ایک حرف کو دوسرے حرف کی حرکت میں اسی وقت تابع کیا جا سکتا ہے جب دونوں ایک ہی کلمہ میں ہوں،، لیکن یہ دونوں کلمات یعنی """الحمد للہ """اکٹھے استعمال ہوتے ہیں ان میں شدید اتصال ہے لہذا ان دو کلمات کو ایک کلمہ کے قائم مقام بنا کر ایک حرف کو دوسرے حرف کی حرکت میں تابع کر دیا گیا ہے۔۔۔۔

((بحث عن معنی کلمۃ """رب """))

سوال::: لفظ """رب """اصل میں کیا ہے؟؟؟اور کس معنی میں ہے؟؟؟

جواب::: رب اصل میں مصدر ہے اور تربیت کے معنی میں ہے اور تربیت کا مطلب ہے """کسی چیز کو آہستہ آہستہ درجہ کمال تک پہنچا دینا"""۔۔۔

اعتراض::: لفظ """رب """کو اسم جلالت """اللہ """کی صفت بنانا درست نہیں ہے کیونکہ صفت کا حمل موصوف پہ ہوتا ہے ،،رب مصدر ہے اور لفظ """اللہ """ذات کا علم ہے تو مصدر کو ذات پہ محمول کرنا درست نہیں ہوتا۔۔۔

جواب::: یہ بات بلکل درست ہے کہ مصدر کا حمل ذات پہ نہیں ہو سکتا لیکن یہاں مصدر کو مبالغہ کی وجہ سے ذات پہ محمول کیا ہے،، مثلا::: کہا جاتا ہے کہ """زید عدل """یعنی زید عدل وانصاف کے اتنے اعلی مقام پہ پہنچ چکا ہے کہ اب وہ سراپا عدل بن چکا ہے،، سورۃ الفاتحہ میں بھی لفظ """رب """کو مبالغہ کی وجہ سے اسم جلالت """اللہ """کی صفت بنایا گیا ہے جو کہ بلکل درست ہے۔۔۔

سوال::: لفظ """رب """کے بارے میں دوسرا قول بیان کریں۔۔۔

جواب::: دوسرا قول یہ ہے کہ لفظ """رب """صفت مشبہ کا صیغہ ہے اور رب یرب ربا سے ماخوذ ہے۔۔۔

سوال::: کیا رب کو مالک کہا جا سکتا ہے؟؟؟

جواب::: جی ہاں،، رب کو مالک کہنا بلکل درست ہے کیونکہ مالک بھی اپنی مملوکہ چیزوں کی حفاظت کرتا ہے اور ان کی تربیت کرتا ہے۔۔۔۔

سوال::: کیالفظ""رب""کااطلاق غیر اللہ پہ ہو سکتا ہے؟؟؟

جواب::: رب صرف اللہ کے ساتھ ہی خاص ہے،، لیکن اضافت کے ساتھ غیر اللہ کے لیے استعمال ہو سکتا ہے بغیر اضافت کے غیر اللہ کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں۔۔۔

مثلاقرآن کریم میں ہے:::

ترجمہ::: تم اپنے آقا کے پاس لوٹ جاؤ

یہاں لفظ""رب""غیر اللہ کے لیے استعمال ہوا ہے لیکن اضافت کے ساتھ استعمال ہوا ہے،، بغیر اضافت کے لفظ""رب"" کو غیر اللہ کے لیے استعمال نہیں کیا جاسکتا۔۔۔۔۔۔

((بیان المراد من لفظ""العالمین""))

سوال::: عالم کالغوی اوراصطلاحی معنی لکھیں۔۔۔

جواب::: لغوی معنی::: عالم وہ ہے جس کے ذریعے کسی چیز کو جاناجائے،، پھر غلبہ کے طور پر لفظ""عالم""کااستعمال ان تمام چیزوں کے لیے ہونے لگا جن کے ذریعے صانع یعنی اللہ پاک کی پہچان ہو۔۔۔

اصطلاحی معنی::: وہ تمام جواھر واعراض جو اللہ کے علاوہ ہیں انہیں""عالم""کہاجاتاہے۔۔۔

سوال::: عالم سے صانع کی پہچان کیسے ہو سکتی ہے؟؟؟

جواب::: عالم سے صانع باری تعالیٰ کی پہچان ہوتی ہے کیونکہ تمام جواھر واعراض ممکن ہیں اور ہر ممکن اپنے وجود میں مؤثر واجب لذاتہ کا محتاج ہوتا ہے لہذا تمام جواھر واعراض اللہ پاک کے وجود پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ یہ اپنے وجود میں ذات باری تعالیٰ کے محتاج ہیں۔۔۔

سوال::: لفظ""عالمین""کو جمع کیوں لائے؟؟؟

جواب::: اس کو جمع اس لیے لائے تاکہ عالم کی تمام اجناس اس میں شامل ہو جائیں مثلاعالم جن،عالم انسان وغیرہ۔۔۔

سوال::: عالمین کی جمع""ی""اور""نون""کے ساتھ کیوں لائے؟؟؟

جواب::: عالمین میں عاقل اور غیر عاقل سب شامل ہیں،، لیکن ذوی العقول یعنی عاقل کو غیر ذوی العقول پہ غلبہ دیااور جس طرح ذوی العقول کی جمع""ی""اور""نون""کے ساتھ آتی ہے بلکل اسی طرح عالمین کی جمع بھی""ی""اور""نون"" کے ساتھ لائی گئی تاکہ ذوی العقول کو غیر ذوی العقول پہ غلبہ عطا کیا جائے۔۔۔۔

سوال::: لفظ""عالم""کے بارے میں مصنف نے جو بقیہ دو اقوال ذکر کیے ہیں ان کو سپرد قلم کریں۔۔۔

جواب:::

(1)لفظ عالم کو ذوی العقول یعنی فرشتوں،انسانوں اور جنات کے لیے خاص طور وضع کیا گیا ہے اور غیر ذوی العقول کو علی سبیل الاتباع عالم میں شامل کر دیا گیا۔۔۔۔۔۔

(2)عالم سے مراد انسان ہیں کیونکہ ہر انسان ایک عالم صغیر کے طور پر ان تمام جواھر و اعراض کو شامل ہے جو عالم کبیر میں پائے جاتے ہیں اور ان کے ذریعے صانع کی پہچان کی جاتی ہے،،اور اسی وجہ سے عالم کبیر اور عالم صغیر یعنی انسان کے اندر غور و فکر کرنا برابر قرار دیا گیا ہے۔۔۔۔

چنانچہ اللہ پاک کا فرمان ہے:::

ترجمہ::: اور خود تمہاری ذاتوں میں ((قدرت کی نشانیاں ہیں))تو کیا تم دیکھتے نہیں؟؟؟

((بیان بعض قراءات """رب العالمین"""))

سوال::: """رب العالمین"""کو منصوب پڑھنے کی مصنف نے کتنی اور کون سی وجوہات بیان کی ہیں؟؟؟

جواب::: """رب العالمین"""کو منصوب پڑھنے کی مصنف نے تین وجوہات بیان کی ہیں:::

(1)افعال مدح کو مقدر مان کر """رب العالمین"""کو منصوب پڑھا گیا ہے،،چنانچہ عبارت یوں ہو گی """أمدح رب العالمین """۔۔۔۔

(2)منصوب پڑھنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ یہاں حرف نداء کو مقدر مانا جائے گا،،چنانچہ عبارت یوں ہو گی """یارب العالمین """۔۔۔۔

(3)منصوب پڑھنے کی تیسری وجہ وہ فعل ہے جس پہ """الحمد"""نے دلالت کی ہے،،چنانچہ عبارت یوں ہو گی """نحمد رب العالمین """۔۔۔۔۔۔

سوال::: """رب العالمین"""کو اسم جلالت کی صفت بنانے میں کیا فائدہ ہے؟؟؟

جواب::: """رب العالمین"""کو اسم جلالت کی صفت بنانے میں فائدہ یہ ہے کہ جس طرح تمام ممکنات اپنے وجود میں اللہ کی محتاج ہیں اسی طرح وہ اپنی بقاء میں بھی اللہ کی محتاج ہیں۔۔۔۔

((بیان وجہ اعادۃ الوصفین))

اعتراض::: مصنف شافعی ہیں اور شوافع کے نزدیک تسمیہ سورۃ الفاتحہ کا جزء ہے،،چنانچہ ان پہ اعتراض ہوتا ہے کہ تسمیہ میں """الرحمن الرحیم """ذکر کیا گیا ہے اور """رب العالمین """کے بعد دوبارہ """الرحمن الرحیم """کیوں ذکر کیا گیا ہے؟؟؟اس سے تو تکرار لازم آئے گی اور کلام غیر فصیح ہو جائے گا۔۔۔۔۔

جواب::: """الرحمن الرحیم """کو استحقاق حمد کی عمر بیان کرنے کے لیے دوبارہ ذکر کیا ہے۔۔۔۔۔

((بیان قراءات """ملک """وذکر الراجح مع وجہ الترجیح))

سوال::: مصنف نے """مالک""" کی کتنی قراءات بیان کی ہیں؟؟؟ تفصیل کے ساتھ جواب دیں۔۔۔۔

جواب::: مصنف نے چار قراءات بیان کی ہیں۔۔۔۔

(1)"""مالک یوم الدین""" یہ پہلی قرأت ہے،،اس قرأت کو امام عاصم،یعقوب اور کسائی نے پڑھا ہے۔۔۔۔

اللہ پاک کا قول"""یَوۡمَ لَا تَمۡلِكُ نَفۡسٌ لِّنَفۡسٍ شَیۡـًٔا ؕ وَ الۡاَمۡرُ یَوۡمَئِذٍ لِّلّٰہِ"""اس قرأت کی تائید کر رہا ہے،،تائید اس طرح ہو رہی ہے اس آیت میں لفظ"""تملک""" ملک((بکسر المیم)) سے مشتق ہے اور"""مالک""" بھی اسی سے مشتق ہے۔۔۔۔۔

(2)دوسری قرأت"""ملک"""((بفتح المیم وبکسر اللام والکاف)) ہے اور یہی قرأت((مصنف کے نزدیک)) مختار ہے اور مصنف نے اس قرأت کے مختار ہونے پہ تین دلائل دیے ہیں:::

پہلی دلیل::: یہ اہل حرمین کی قرأت ہے اور وہ اہل عرب ہیں لہذا وہ زیادہ بہتر جانتے ہیں کہ اس لفظ کو کیسے پڑھنا ہے۔۔۔۔

دوسری دلیل::: اللہ پاک کا یہ قول"""لمن الملک الیوم"""اس قرأت کی تائید کر رہا ہے وہ اس طرح کہ اس آیت میں لفظ """ملک"""((بضم المیم)) استعمال ہوا ہے اور یہ دوسری قرأت بھی اسی لفظ سے مشتق ہے لہذا اللہ پاک کے قول کے ذریعے اس دوسری قرأت کو تائید حاصل ہو گئی۔۔۔۔

تیسری دلیل::: """ملک"""پڑھنے میں"""مالک"""پڑھنے سے زیادہ تعظیم پائی جا رہی ہے وہ اس طرح کہ مالک اسے کہتے ہیں جو اپنی ذاتی چیزوں میں تصرف کر سکتا ہو جبکہ ملک یعنی بادشاہ وہ ہوتا ہے جو پوری سلطنت میں تصرف کرتا ہے یعنی ملک،مالک سے بڑا ہوتا ہے لہذا اس میں زیادہ تعظیم پائی جا رہی ہے۔۔۔۔۔۔

اس بحث سے یہ نتیجہ نکلا کہ"""ملک""" والی قرأت"""مالک"""سے راجح ہے۔۔۔۔

(3)تیسری قرأت"""ملک"""((بفتح المیم وبتسکین اللام)) ہے۔۔۔۔

(4)چوتھی قرأت"""ملک"""((بفتح المیم واللام والکاف)) فعل ماضی کا صیغہ ہے۔۔۔۔

سوال::: پہلی دو قراتوں"""مالک اور ملک((بفتح المیم وبکسر اللام))"""کو کن کن اعراب کے ساتھ پڑھا جا سکتا ہے اور یہ اس وقت ترکیب کلام میں کیا بنیں گے؟؟؟ تفصیل سے بیان کریں۔۔۔۔۔

جواب::: """مالک"""کا اعراب::: مالک کو منصوب یعنی مالکا اور مرفوع بھی پڑھا جا سکتا ہے۔۔۔

اس کو منصوب پڑھنے کی دو وجوہات ہیں:::

(1)اس سے پہلے فعل مدح نکالیں گے اور مالک کو فعل مدح کا مفعول مانا جائے گا۔۔عبارت یوں ہو گی"""اُمدح مالکا یوم الدین"""۔۔۔۔

(2)اس کو اسم جلالت سے حال مانا جائے گا،،عبارت یوں ہو گی"""الحمد للہ حال کونہ مالکا یوم الدین"""۔۔۔۔۔

اس کو مرفوع بھی پڑھا جا سکتا ہے اور مرفوع پڑھنے کے دو طریقے ہیں:::

(1)یہ مرفوع ہوگااوراس پہ تنوین ہوگی،،اس صورت میں یہ مبتداء محذوف کی خبر ہوگا،،چنانچہ عبارت یوں گی"""ھومالک یوم الدین"""۔۔۔۔۔۔

(2)دوسرا طریقہ یہ ہے کہ یہ مرفوع ہوگا لیکن اس پہ تنوین نہیں ہوگی بلکہ یہ"""یوم الدین"""کی طرف مضاف ہوگااوراس صورت میں بھی مبتداء محذوف نکالا جائے گا،،عبارت یوں ہوگی"""ھومالک یوم الدین"""۔۔۔۔۔۔

((یادرہے پہلے طریقے میں"""مالک"""تنوین کے ساتھ مرفوع ہے جبکہ دوسرے طریقے میں یہ مضاف بن رہاہےاوراس پہ تنوین نہیں ہے،،البتہ دونوں صورتوں میں یہ مبتداء محذوف"""ھو"""کی خبر ہے))۔۔۔۔۔۔۔

"""ملک"""((بفتح المیم وبکسر اللام))کااعراب:::

اس کو مرفوع اور منصوب دونوں طریقوں سے پڑھا جاسکتا ہے۔۔۔۔

جب اس کو مرفوع پڑھا جائے گاتب یہ مبتداء محذوف"""ھو"""کی خبر ہوگااور"""یوم الدین"""کی طرف مضاف ہورہاہوگا،، چنانچہ عبارت یوں ہوگی"""ھوملک یوم الدین"""۔۔۔۔۔۔

جب اس کو منصوب پڑھا جائے گاتب یہ محذوف فعل مدح کامفعول بنے گااوراس صورت میں بھی یہ"""یوم الدین"""کی طرف مضاف ہورہاہوگا،،چنانچہ عبارت یوں ہوگی"""أمدح ملک یوم الدین"""۔۔۔۔۔۔

((بیان معنی الدین))

سوال::: """یوم الدین"""کا کیا مطلب ہے؟؟؟

جواب::: اس کا مطلب ہے"""یوم جزاء"""یعنی بدلے کادن۔۔۔۔

اب مصنف اس معنی پہ دودلائل دیتے ہیں:::

(1)حدیث مبارک میں ہے"""کماتدین تدان"""یعنی جیسا کروگے ویسا بھروگے((یعنی جیسا کروگے ویسا تمہیں بدلہ دیا جائے گا))۔۔۔۔۔

(2)ایک عربی شعر ہے:::

ولم یبق سوی العدوا

ن دناھم کمادانوا

ترجمہ::: اورجب زیادتی کے علاوہ کوئی صورت باقی نہ رہی توہم نے ان کو ویسا بدلہ دیا جیساانہوں نے ہمارے ساتھ کیا تھا۔۔۔۔

اس کے علاوہ"""دین"""کے دومطلب اور بھی بیان کیے گئے ہیں:::

(1)شریعت

(2)اطاعت،،اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ وہ اطاعت کا بدلہ دینے کا دن ہے۔۔۔۔۔۔

((بیان کون """مالک یوم الدین """صفۃ لاسم الجلالۃ))

اعتراض::: """مالک یوم الدین """میں لفظ """مالک """اسم جلالت کی صفت واقع ہو رہا ہے جبکہ یہ درست نہیں کیونکہ اسم جلالت معرفہ ہے اور مالک نکرہ ہے کیونکہ اس میں اضافت لفظی پائی جا رہی ہے اور اضافت لفظی معرفہ ہونے کا فایدہ نہیں دیتی جبکہ موصوف صفت میں مطابقت ہونا ضروری ہے۔۔۔۔۔

جواب::: یہاں اضافت لفظی نہیں بلکہ اضافت حقیقی پائی جا رہی ہے اور اضافت حقیقی معرفہ ہونے کا فائدہ دیتی ہے لہذا """مالک """اضافت حقیقی کی وجہ سے معرفہ بن جائے گا اور اسم جلالت کی صفت بنے گا،،اور یہ اضافت حقیقی اس طرح بن رہی ہے کہ ظرف کو مفعول بہ کے قائم مقام کر کے """مالک """کو اس کی طرف مضاف کر دیا گیا ہے۔۔۔۔

سوال::: اللہ پاک کو ابھی """مالک یوم الدین """کیسے کہا جا سکتا ہے؟؟؟ حالانکہ ابھی تو قیامت کا دن قائم ہونا ہے اور پھر اس نے مالک بننا ہے۔۔۔۔

جواب::: اللہ پاک کو """مالک یوم الدین """کہا جا سکتا ہے کیونکہ اس کا قیامت کے دن ان تمام امور کا مالک بننا یقینی ہے،، جس طرح قرآن کریم میں ہے """ونادی اصحاب الجنۃ """اور جنت والوں نے نداء دی،، حالانکہ ابھی جنت والے جنت میں نہیں گئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ معاملہ یقینی طور پر پیش آنا ہے اس لیے اس کو ماضی کے صیغے کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اس بات پہ دلالت کرنے کے لیے کہ مستقبل میں یہ کام ہو کر رہے گا۔۔۔۔۔۔

سوال::: اللہ پاک کی ملکیت تو دنیا و آخرت دونوں میں ثابت ہے لیکن اضافت کر کے اس ملکیت کو صرف آخرت کے ساتھ کیوں خاص کیا گیا؟؟؟

جواب::: اس کی دو وجوہات ہیں:::

(1)اس میں تعظیم زیادہ ہے،، وہ اس طرح کہ یوم آخرت اپنے معاملات کی وجہ سے عظیم الشان ہے اور ملکیت کو اس کی طرف منسوب کیا گیا تا کہ ملکیت کا بھی عظیم الشان ہونا ثابت ہو جائے۔۔۔۔

(2)اگرچہ دنیا کے تمام معاملات کا حقیقی مالک اللہ پاک ہی ہے لیکن ظاہری طور پر انسان بھی چیزوں کا مالک نظر آتا ہے جس سے وہم پیدا ہوتا ہے کہ انسان بھی اس ملکیت میں شریک ہے،، لیکن آخرت کے دن یہ وہم پیدا نہیں ہوگا،، اس دن اللہ کے علاوہ کوئی بھی کسی بھی چیز کا مالک نہیں ہوگا اور تمام چیزوں کا مالک صرف وہی ہوگا اس وجہ سے ملکیت کو آخرت کے ساتھ خاص کیا گیا ہے۔۔۔۔۔۔

((بیان سبب ذکر صفات اسم الجلالۃ))

سوال::: سورۃ الفاتحہ میں اسم جلالت کی چاروں صفات کو ذکر کرنے کی کیا وجہ ہے؟؟؟

جواب::: سورۃ الفاتحہ میں اسم جلالت کی چار صفات ذکر کی گئیں کہ اللہ پاک ہی تمام جہانوں کا رب ہے اور وہی جہان والوں کو تمام قسم کی ظاہری و باطنی نعمتیں عطا کرتا ہے اور سزا و جزا کے دن اللہ پاک ہی تمام امور کا مالک ہو گا،، مصنف نے ان صفات کو ذکر کرنے کی وجہ دو طرح سے بیان کی ہے (1) چاروں صفات کی مجموعی وجہ (2) ہر ایک کی فرد افرد اوجہ

مجموعی وجہ::: یہ چاروں صفات اس بات پہ دلالت کرتی ہیں کہ حقیقی طور پر اللہ پاک ہی حمد کے لائق ہے اس کے علاوہ کوئی بھی اس کا مستحق نہیں،، اللہ پاک نے استحقاق حمد کو انہی چاروں صفات پہ مرتب کیا ہے لہذا یہ اوصاف استحقاق حمد کی علت ہیں ((یعنی جس میں یہ وصف پائے جائیں گے صرف اسی کی حمد کی جائے گی)) اور یہ اوصاف اللہ کے علاوہ کسی میں بھی نہیں پائے جاتے،، مفہوم مخالف کے طور پر یہ صفات اس بات پہ دلالت کرتی ہیں کہ جو شخص ان چاروں صفات کا حامل نہیں وہ حمد کے قابل بھی نہیں تو اس کی عبادت کیسے کی جاسکتی ہے ؟؟؟ لہذا یہ اپنے بعد آنے والی عبارت ((ایاک نعبد)) کی دلیل ہے جس میں عبادت کو صرف اللہ کے ساتھ خاص کیا گیا ہے کہ عبادت کا مستحق صرف اللہ ہے۔۔۔۔

فرد افرد اوجہ::: پہلی صفت """رب العالمین""" ایجاد اور تربیت پہ دلالت کرتی ہے اور ایجاد و تربیت حمد کو واجب کرتے ہیں لہذا """رب العالمین""" حمد کو واجب کرنے کے لیے ہے۔۔۔۔

دوسری اور تیسری صفت """رحمن و رحیم""" اس بات پہ دلالت کرتی ہیں کہ اللہ پاک احسان کرنے والا ہے اور احسان کرنے میں وہ خود مختار ہے ((چاہے کرے یا نہ کرے))،، مصنف نے مختار کہ کر فلاسفہ اور معتزلہ کا رد کیا ہے،، فلاسفہ کا کہنا ہے کہ اللہ پاک احسان کرنے پہ مجبور ہے اور معتزلہ کا کہنا ہے کہ اچھے اعمال کی وجہ سے نیک لوگوں پہ احسان کرنا اللہ کے لیے ضروری ہے لیکن درست مذہب یہی ہے کہ اللہ پاک پہ کچھ بھی واجب نہیں وہ خود مختار ہے اور بلکل بھی مجبور نہیں ہے کیونکہ جو مجبور ہوتا ہے وہ حمد کے لائق نہیں ہوتا۔۔۔۔

چوتھی صفت ((مالک یوم الدین)) حمد کو صرف اللہ کے لیے خاص کرتی ہے کیونکہ دنیا میں کئی چیزوں میں انسان کی ملکیت بھی من وجہ ثابت ہے ((اگرچہ تمام چیزوں کا حقیقی مالک اللہ پاک ہی ہے)) لیکن آخرت کے تمام امور میں شرکت کی کسی قسم کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ وہاں تمام امور کا مالک صرف اللہ ہو گا اس کے علاوہ کوئی بھی کسی بھی چیز کا مالک نہ ہو گا،، اور یہ چوتھی صفت حمد کرنے والوں کے لیے وعدے کو اور حمد سے اعراض کرنے والوں کے لیے وعید کو شامل ہے ((یعنی جو اللہ کی حمد کرے گا اسے اجر دیا جائے گا اور جو حمد سے اعراض کرے گا اسے سزا ملے گی))۔۔۔۔

((ذکر مناسبۃ الآیۃ لما قبلھا و بیان النکتۃ المصححۃ للخطاب))

سوال::: سورۃ الفاتحہ کی پہلی چار آیات میں کلام غیب کے ساتھ چلا آرہا تھا لیکن پانچویں آیت ((ایاک نعبد وایاک نستعین)) میں غیب سے خطاب کی طرف کیوں التفات کیا؟؟؟

جواب::: جب اللہ پاک کو حمد کے ساتھ خاص کر لیا گیا اور اس کو ایسی عظیم الشان صفات کے ساتھ متصف کر دیا گیا جن کی ذریعے سے اللہ پاک کی ذات غیر سے ممتاز ہو گئی اور یہ بات معلوم ہو گئی کہ یہاں سے مراد صرف اللہ پاک ہی کی ذات ہے تو پھر غیب سے خطاب کی طرف التفات کیا گیا اور معنی یہ ہوا کہ اے وہ ذات!!! جس کی یہ شان ہے ((یعنی وہ رب ہے، رحمن ور حیم ہے، یوم جزاء کا مالک ہے)) ہم عبادت اور استعانت کے ساتھ تمہیں خاص کرتے ہیں ((یعنی اے ان صفات کی حامل ذات!!! ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں))، غیب سے خطاب کی طرف التفات کی وجہ یہ ہے کہ غیب کی بنسبت خطاب میں اختصاص زیادہ پایا جاتا ہے اور اس کے ذریعے برھان سے عیان کی طرف ترقی ہو جائے اور غیبت سے شھود کی جانب انتقال ہو جائے یعنی جو چیز علم کے درجہ میں تھی اس التفات کی وجہ سے وہ عیان کے درجہ میں آگئی اور جو چیز عقل میں تھی گویا اس کا مشاہدہ کر لیا گیا ہے اور جو چیز غیب تھی گویا وہ اس التفات کی وجہ سے حاضر کے درجہ میں آگئی تو ثابت ہوا کہ خطاب میں غیب کی نسبت زیادہ اختصاص پایا جاتا ہے لہذا غیب سے خطاب کی طرف التفات کر لیا گیا۔۔۔۔۔

سوال::: غیب سے خطاب کی طرف التفات کرنے میں کس طرح ترقی پائی جارہی ہے؟؟؟

جواب::: اس التفات میں ترقی اس طرح پائی جارہی ہے کہ ایک عارف ((اللہ پاک کو پہچاننے والا)) اپنے ابتدائی حال سے انتہائی حال تک پہنچتا ہے وہ اس طرح کہ پہلے پہل وہ ذکر و فکر کے ذریعے، اللہ پاک کی نعمتوں اور اس کے ناموں میں غور و خوض کر کے، اس کی بنائی ہوئی چیزوں سے اس کی شان اور بادشاہت پہ استدلال کر کے اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور جیسے ہی غیب سے خطاب کی طرف التفات ہوا تو وہ عارف اپنے انتہائی حال پہ پہنچ گیا اور وہ انتہائی حال ""مشاہدہ"" ہے،، وہ اس انتہائی حال پہ پہنچ کر اللہ پاک کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور اس سے بالمشافہ سرگوشی کرتا ہے۔۔۔۔

یوں غیب سے خطاب کی طرف التفات کرنے میں ترقی پائی جارہی ہے۔۔۔۔۔

((بیان الالتفات فی کلام العرب))

سوال::: عرب لوگ اپنے کلام میں جدت اور سامع کے لیے رغبت پیدا کرنے کے لیے کیا کرتے ہیں؟؟؟ مثال کے ساتھ بیان کریں۔۔۔۔

جواب::: عربوں کی یہ عادت ہے کہ وہ اپنے کلام میں جدت پیدا کرنے اور سامع کو اپنی طرف رغبت دلانے کے لیے ایک اسلوب سے دوسرے اسلوب کی طرف التفات کرتے رہتے ہیں۔۔۔ اس کی مثالیں درج ذیل ہیں:::

خطاب سے غیب کی طرف التفات کرنا

مثلا::: سورۃ یونس میں اللہ پاک کا ارشاد ہے

ترجمہ کنزالعرفان::: یہاں تک کہ جب تم کشتی میں ہوتے ہو اور وہ (کشتیاں) خوشگوار ہوا کے ساتھ انہیں لے کر چلتی ہیں۔۔۔

اس آیت میں خطاب سے غیب کی طرف التفات کیا گیا ہے۔۔۔۔

غیب سے تکلم کی جانب منتقل ہونا

مثلا::: سورۃ فاطر میں اللہ پاک کا فرمان ہے

ترجمہ کنزالعرفان::: اور اللہ ہی ہے جس نے ہوائیں بھیجیں تو وہ ہوائیں بادل کو ابھارتی ہیں پھر ہم اسے کسی مردہ شہر کی طرف رواں کرتے ہیں۔۔۔۔

اس میں غیب سے تکلم کی جانب التفات کیا گیا ہے۔۔۔۔

امرئ القیس کا شعر ہے:::

تطاول لیلک بالأثمد

ونام الخلی ولم ترقد

وبات وباتت لہ لیلۃ

کلیلۃ ذی العائر الارمد

وذلک من نبأ جاءنی

وخبرتہ عن ابی الاسود

ترجمہ::: اے جان تیری رات مقام اثمد میں طویل ہو گئی،،اور عشق سے خالی شخص سو گیا لیکن تمہیں نیند نہیں آئی،،اور اس ((یعنی جان))نے رات گزار دی اور اس کی رات گزر بھی گئی اس بندے کی رات کی طرح جو آشوب چشم میں مبتلا ہو ((یعنی رات بہت بے چینی کے ساتھ گزری))اور یہ ((بے چینی))اس خبر کی وجہ سے جو میرے پاس آئی اور مجھے ابو اسود کی موت کی خبر دی گئی۔۔۔۔۔

((یہاں پہلے چار مصرعوں میں خطاب سے غیب کی طرف التفات ہے جبکہ آخری دو مصرعوں میں غیب سے تکلم کی طرف التفات ہے))۔۔۔۔۔۔

((بیان المذاھب فی ایاک))

سوال::: لفظ """ایاک""" کے بارے میں نحویوں کے کتنے اور کون سے مذاھب ہیں ؟؟؟ تفصیل سے بیان کریں۔۔۔۔

جواب::: اس کے بارے میں چار مذاھب ہیں:::

(1)"""ایا""" ضمیر منصوب منفصل ہے اور بقیہ تین حروف یعنی """یاء، کاف اور ھاء """جو اس کے ساتھ ملے ہوئے ہیں ان کو تکلم، خطاب اور غیب کو بیان کرنے لیے اضافی طور پر """ایا""" کے ساتھ ملایا گیا ہے۔۔۔۔

جس طرح""انت""میں تاء اور""اَرَأَیتک""میں کاف کے اعراب کا کوئی محل نہیں ہے بلکل اسی طرح ان تینوں حروف ((جو""ایا""کے ساتھ ملے ہوتے ہیں یعنی یاء، کاف اور ھاء)) کے اعراب کا بھی کوئی محل نہیں ہے۔۔۔۔۔۔

(2) دوسرا مذھب خلیل کا ہے،، ان کا کہنا ہے کہ لفظ""ایا""بقیہ تینوں حروف کی طرف مضاف ہوتا ہے اور اپنے مؤقف کی تائید میں امام خلیل اہل عرب کا ایک قول پیش کرتے ہیں""اذا بلغ الرجل الستین فایاہ وایاالشواب""،، اس قول میں""ایا"" لفظ الشواب کی طرف مضاف ہو رہا ہے اسی طرح یہ""یاء، کاف اور ھاء""کی طرف بھی مضاف ہوتا ہے،، لیکن یہ شاذ ہے اور اس قول پہ اعتماد نہیں کیا جائے گا۔۔۔۔۔۔

(3) تیسرا قول یہ ہے کہ وہ تینوں حروف یعنی""یاء، کاف اور ھاء""ضمائر ہیں اور لفظ""ایا""ان کے لیے ایک سہارے کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ جب یہ ضمائر اپنے عوامل سے الگ ہو گئیں تو ان کے تنہاء ہونے کی وجہ سے ان کو بولنا مشکل ہو گیا لھذا ان کو استعمال کرنے کے لیے""ایا""کو ان کے ساتھ ملا دیا گیا۔۔۔۔

(4) چوتھا قول یہ ہے کہ یہ مکمل مجموعہ یعنی""ایاک""ایک ضمیر ہے،، یعنی یہ بات کہنے والے""ایاک""کو مرکب نہیں بلکہ مفرد سمجھتے ہیں۔۔۔۔

سوال::: ""ایاک""((بکسرالھمزۃ)) کو مزید کتنے طریقوں سے پڑھا گیا ہے؟؟؟

جواب::: اس کو مزید دو طریقوں سے پڑھا گیا ہے:::

(1) ایاک کے ھمزہ کو فتح دے کر پڑھا گیا۔۔۔۔

(2) ایاک کے ھمزہ کو""ھاء""سے بدل کر""ھیاک""پڑھا گیا۔۔۔۔۔

((بیان معنی العبادۃ))

سوال::: عبادت کسے کہتے ہیں؟؟؟ نیز کیا لفظ عبادت غیر اللہ کے لیے استعمال کرنا جائز ہے؟؟؟

جواب::: انتہائی درجے کے خشوع و خضوع کو عبادت کہتے ہیں،، اسی وجہ سے وہ راستہ جسے خوب روندا گیا ہو اسے""طریق معبد""((یعنی خوب روندا ہوا یا ذلیل کیا ہوا راستہ)) کہا جاتا ہے،، اور وہ کپڑا جو سخت بناوٹ والا ہو اسے""ثوب ذو عبدۃ""کہا جاتا ہے کیونکہ جس کپڑے کی بناوٹ سخت ہو اسے زیادہ دیر تک استعمال کیا جا سکتا ہے یعنی سخت بناوٹ والے کپڑے کو لمبے عرصے تک استعمال کر کے روندا جا سکتا ہے اس لیے اسے""ثوب ذو عبدۃ""کہا جاتا ہے۔۔۔۔۔۔

چونکہ عبادت انتہائی عاجزی اور خشوع و خضوع کا نام ہے لھذا یہ غیر اللہ کے لیے استعمال نہیں ہو سکتا بلکہ یہ صرف اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہے کیونکہ وہی عبادت کے لائق ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا حقدار نہیں۔۔۔۔۔

((بیان معنی الاستعانۃ واقسام المعونۃ))

سوال::: استعانت کا کیا مطلب ہے اور اس کی کتنی اور کون سی اقسام ہیں؟؟؟ تفصیل سے بیان کریں۔۔۔۔۔۔

جواب::: استعانت کا مطلب ہے """مدد طلب کرنا"""۔۔۔۔

اس کی دو اقسام ہیں:::

(1)ضروری

یہ وہ قسم ہے جس کے بغیر فعل کا وقوع نہیں ہو سکتا،،یعنی یہ والی قسم فعل کے واقع ہونے کے لیے ضروری ہے،،جیسا کہ فاعل کا فعل پہ قدرت ہونا،فاعل کو فعل کا علم ہونا((یعنی فاعل کو پتا ہو کہ کون سا فعل کرنا ہے))،فاعل کے پاس ایسے آلے کا ہونا جس کے ذریعے وہ فعل کو کر سکے،ایسی جگہ کا ہونا جس میں فعل واقع ہو سکے۔۔۔اور جب یہ چاروں چیزیں((یعنی فعل پہ قدرت، فعل کا علم،آلہ اور جگہ))کسی ایک شخص میں جمع ہو جائیں تو اس کو استطاعت کے ساتھ موصوف کیا جاتا ہے اور اس کو مکلف بنانا بھی صحیح ہے((یعنی یہ چاروں چیزیں جس میں پائی جائیں گی اس کو مکلف بنانا درست ہے کیونکہ اس میں استطاعت پائی جا رہی ہے))۔۔۔۔

(2)غیر ضروری

یہ قسم فعل کے واقع ہونے کے لیے ضروری نہیں ہے لیکن اس کی وجہ سے فعل کو کرنا آسان ہو جاتا ہے مثلاً اگر کوئی شخص پیدل سفر کرنے کی قدرت رکھتا ہے لیکن اس کو سواری مل جاتی ہے تو اس کا سفر آسان ہو جائے گا،،یا اس قسم کی وجہ سے فاعل فعل کے قریب ہو جاتا ہے یا فاعل کو اس فعل کے کرنے پہ ابھارا جاتا ہے مثلاً کسی کو نماز کے فضائل بتا کر اس کو نماز پڑھنے پہ ابھارنا۔۔۔۔۔

غیر ضروری قسم کی وجہ سے کسی شخص کو مکلف نہیں کہا جا سکتا۔۔۔

سوال::: """طلب المعونۃ"""سے کیا مراد ہے؟؟؟

جواب::: اس سے مراد تمام کاموں میں اللہ کی مدد طلب کرنا یا صرف عبادت کی ادائیگی کرنے میں اللہ پاک کی مدد طلب کرنا۔۔۔۔

((بیان المراد من الضمیر """نحن """فی الفعلین))

سوال::: """ایاک نعبد وایاک نستعین """میں جمع کا صیغہ کیوں استعمال کیا گیا؟؟؟چاہیے تو یہ تھا کہ یہاں واحد کا صیغہ استعمال کیا جاتا کیونکہ تلاوت کرنے والا ایک ہی ہے۔۔۔۔

جواب::: تلاوت کرنے والا دو حال سے خالی نہیں ہو گا،،یا تو وہ نماز کے اندر تلاوت کر رہا ہو گا یا نماز کے باہر،،اگر نماز کے باہر تلاوت کر رہا ہے تو اس جمع کی ضمیر میں وہ خود اور دنیا کے تمام مؤحدین شامل ہوں گے،،اور اگر نماز کے اندر تلاوت کر رہا ہے تب دو صورتیں بنیں گی یا تو وہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہو گا یا اکیلا،،اگر اکیلا نماز پڑھ رہا ہے تو اس جمع کی ضمیر میں وہ خود اور

حفاظت کرنے والے فرشتے شامل ہوں گے اور اگر جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے تو اس جمع کی ضمیر کا مصداق وہ خود اور جماعت والے افراد ہوں گے۔۔۔۔۔

لہذا ثابت ہوا یہاں جمع کا صیغہ استعمال کرنا درست ہے۔۔۔۔۔

سوال::: """ایاک نعبد وایاک نستعین""" میں جمع کا صیغہ لانے کی کیا حکمت ہے؟؟؟

جواب::: تلاوت کرنے والے نے جمع کا صیغہ لا کر اپنی عبادت اور حاجت میں تمام مومنین کو شریک کیا شاید ان کی برکت سے اس کی اپنی عبادت یا حاجت قبول ہو جائے،،اسی وجہ سے شریعت نے جماعت قائم کرنے کا حکم دیا ہے((کہ ہو سکتا ہے کسی ایک کی برکت سے سب کی عبادت قبول ہو جائے))۔۔۔۔۔

((بیان وجوہ التقدیم لمفعول """نعبد"""))

سوال::: ایاک نعبد میں """ایاک""" کو مقدم کیوں کیا؟؟؟

جواب::: اس کی پانچ وجوہات ہیں:::

(1) تعظیم کی وجہ سے مقدم کیا ہے کیونکہ """ایاک""" سے مراد اللہ پاک ہیں اور ذات باری تعالٰی کی تعظیم کے لیے اس کو مقدم کیا۔۔۔۔

(2)اہتمام کی وجہ سے مقدم کیا کیونکہ مؤمن کے لیے اللہ پاک کا ذکر ہر حالت میں اہم ہے اور اس کی بہت زیادہ اہمیت ہے لہذا اہتمام کی وجہ سے """ایاک""" کو مقدم کر دیا۔۔۔۔

(3)حصر پر دلالت کرنے کی وجہ سے،، کیونکہ وہ چیز جس نے بعد میں آنا ہو اسے اگر پہلے لے آئیں تو حصر کا فائدہ ملتا ہے،،اسی وجہ سے حضرت ابن عباس نے اس کا معنی یہ بیان کیا ہے """ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور تیرے علاوہ کسی کی عبادت نہیں کرتے """۔۔۔۔

(4)ایاک سے مراد ذات باری تعالٰی ہے اور چونکہ اللہ پاک کا وجود ہر چیز سے مقدم ہے لہذا اس کے ذکر کو بھی مقدم کر دیا۔۔۔۔۔

(5)مقدم کرنے کی پانچویں وجہ عابد کو اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ اولا اور بالذات اس کی نظر معبود کی طرف ہونی چاہیے اور پھر عبادت کی طرف ہونی چاہیے اس حیثیت سے کہ یہ عبادت ہمارے اور معبود کے درمیان ایک وسیلہ ہے۔۔۔۔

سوال::: عارف باللہ کا ذات باری تعالٰی سے وصول کس وقت ثابت ہوتا ہے؟؟؟

جواب::: عارف باللہ کا ذات باری تعالٰی سے وصول اس وقت ثابت ہوتا ہے جب وہ اللہ پاک کے ملاحظہ میں مستغرق ہو جائے اسے اللہ کے علاوہ کسی کی کوئی خبر نہ ہو حتی کہ اسے اپنے نفس کے حال کی بھی کوئی پرواہ نہ ہو اور اگر نفس کی پرواہ ہو تو اس حیثیت سے ہو کہ یہ نفس اللہ پاک کے ملاحظہ کا ذریعہ ہے۔۔۔۔۔

اسی وجہ سے وہ کلام جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے دوران حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل کو سکون بخشنے کے لیے کیا تھا وہ حضرت موسیٰ کے اس کلام پہ فضیلت رکھتا ہے جو انہوں نے بنی اسرائیل سے کیا تھا جب وہ فرعون کی فوجوں سے گھبرا گئے تھے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے کلام میں ذات باری تعالیٰ کا ذکر اپنے ذکر سے مقدم کیا""لا تحزن ان اللہ معنا""جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ذکر اللہ پاک کے ذکر سے پہلے کیا تھا""ان معی ربی سیھدین""۔۔۔۔۔۔

سوال::: ""ایاک نعبد وایاک نستعین""میں ضمیر کو دو دفعہ کیوں لایا گیا؟؟؟

جواب::: ضمیر کو تکرار کے ساتھ اس لیے لایا گیا تاکہ اس بات کی صراحت ہو جائے کہ صرف اللہ کی ذات سے مدد مانگی جائے اس کے علاوہ کوئی بھی اس قابل نہیں ہے کہ اس سے مدد مانگی جائے،، مدد کرنے والی ذات صرف اللہ کی ذات ہے۔۔۔۔۔۔

((بیان وجہ تقدیم""العبادۃ""علی""الاستعانۃ""))

سوال::: عبادت کو استعانت پہ مقدم کرنے کی کیا وجہ ہے؟؟؟

جواب::: اس کی وجہ یہ ہے کہ سورۃ الفاتحہ کی تمام آیات کے آخری حروف کے وزن کی محافظت ہو جائے۔۔۔اور عبادت کو استعانت پہ مقدم کرنے سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوا سوال کرنے والے کو مسئول عنہ ((جس سے سوال کیا جائے)) کی بارگاہ میں اپنی حاجت پیش کرنے سے پہلے کوئی وسیلہ پیش کرنا چاہیے تاکہ اس کی حاجت کے قبول ہونے کا چانس زیادہ ہو جائے اور یہاں بھی عبادت کو مدد مانگنے پہ مقدم کیا تاکہ جب عبادت کو اللہ کی بارگاہ میں ایک وسیلہ کے طور پر پیش کر کے مدد مانگی جائے تو بارگاہ الٰہی سے مدد ملنے کے مواقع زیادہ ہو جائیں۔۔۔۔

اب مصنف اپنی طرف سے عبادت کو استعانت پہ مقدم کرنے کا ایک نقطہ بیان فرماتے ہیں کہ ::: جب متکلم نے عبادت کی نسبت اپنی طرف کی تو ہو سکتا ہے کہ اس کے دل میں یہ وہم پیدا ہو جائے کہ میں نے اللہ کی بارگاہ میں عبادت جیسی عظیم چیز پیش کی یعنی ہو سکتا ہے اس کے دل میں اس بات کو لے کر ایک طرح کا فخر پیدا ہو جائے تو اس وہم کو ختم کرنے کے لیے ""ایاک نستعین""لے کر آئے تاکہ عبادت کرنے والے کو پتا چلے کہ میرا اس عبادت کے کرنے میں کچھ کمال نہیں بلکہ میں نے یہ عبادت اللہ کی مدد سے کی ہے اگر اللہ کی مدد اور توفیق شامل نہ ہوتی تو اس عبادت کا صدور نہ ہوتا۔۔۔۔۔

سوال::: ""ایاک نعبد وایاک نستعین""میں واؤ کون سی ہے؟؟؟

جواب::: یہ واؤ عاطفہ ہے لیکن ایک قول بیان کیا گیا ہے کہ یہ واؤ حالیہ ہے اور اس صورت میں اس آیت کا مطلب یہ ہو گا"" ہم تجھ سے مدد طلب کرتے ہوئے تیری عبادت کرتے ہیں""۔۔۔لیکن یہ قول ضعیف ہے۔۔۔۔

سوال::: نعبد اور نستعین کو مزید کس طریقے سے پڑھا گیا ہے؟؟؟

جواب::: ایک دوسری قرأت میں ان دونوں افعال کے ""نون""کے نیچے کسرہ دے کر ان کو پڑھا گیا ہے۔۔۔

یہ قبیلہ بنی تمیم کی لغت ہے،،اس قبیلے کے نزدیک اگر """ یاء """ کے علاوہ بقیہ علامات مضارع کے بعد والا حرف مضموم نہ ہو تو ان علامات مضارع کو کسرہ دے کر پڑھا جائے گا۔۔۔ لیکن یہ قرأت شاذ ہے۔۔۔۔۔۔

((مناسبۃ الآیۃ لما قبلھا))

سوال::: """اھدنا الصراط المستقیم """ کی ما قبل آیت """ ایاک نعبد وایاک نستعین """ کے ساتھ کیا مناسبت ہے؟؟؟

جواب::: اس کی مناسبت دو طرح سے بیان کی گئی ہے:::

(1) ما قبل آیت میں جب اللہ پاک سے مدد مانگی گئی تو گویا کہ اللہ پاک نے یوں فرمایا """ میں کس طرح تمہاری مدد کروں؟؟؟ """ تو اس کے جواب میں بندے نے کہا کہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا کر ہماری مدد کر۔۔۔۔۔

(2) دوسری مناسبت یہ ہے کہ جب ما قبل آیت میں اپنے تمام امور میں اللہ پاک کی بارگاہ میں مدد کی التجاء کی گئی تو ان تمام امور میں سے ایک امر کو خاص کر دیا کہ اے اللہ!!! خاص اس کام میں ہماری مدد فرما کہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔۔۔۔۔

((بیان معانی """ الھدایہ """))

سوال::: ہدایت کا کیا مطلب ہے؟؟؟

جواب::: ہدایت کا مطلب ہے """ نرمی کے ساتھ رہنمائی کرنا """،،اسی وجہ سے ہدایت صرف خیر اور بھلائی کے کاموں میں ہوتی ہے۔۔۔ """ ھدیۃ ((یعنی تحفہ)) """ بھی ہدایت سے مشتق ہے کیونکہ وہ بھی محبت پہ دلالت کرتا ہے اور یونہی """ ھوادی الوحش """ بھی ہدایت سے مشتق ہے کیونکہ ھوادی الوحش سے مراد وہ وحشی جانور ہیں جو بقیہ جانوروں کے لیے راستے میں ہادی اور رہبر کے طور پر کام کرتے ہیں۔۔۔۔۔

اعتراض::: آپ نے کہا کہ ہدایت صرف خیر کے کاموں میں کی جاتی ہے جبکہ قرآن پاک میں شر کی طرف بھی ہدایت کی گئی جیسا کہ اللہ پاک نے فرمایا:::

ترجمہ::: پس انہیں جہنم کے راستے کی ہدایت دو۔۔۔۔۔

جواب::: قرآن پاک میں وہ مقامات جہاں ہدایت کو شر کے لیے استعمال کیا گیا وہاں بطور استہزاء اور تحکم کے طور پر استعمال کیا گیا ہے جیسا کہ خوشخبری اچھی چیز کی دی جاتی ہے لیکن اللہ پاک نے فرمایا """ فبشرھم بعذاب الیم """ پس تم انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو۔۔۔ یہاں خوشخبری کو بری چیز کے لیے استہزاء اور تحکم کے طور پر استعمال کیا گیا اور یہی معاملہ ہدایت کو شر کے لیے استعمال کرنے میں ہے کہ وہاں بھی ہدایت کا استعمال بطور استہزاء اور تحکم کیا گیا ہے۔۔۔

اعتراض::: """ ھدی """ فعل کے دو مفعول ہوتے ہیں اور دوسرا مفعول """ لام یا الی """ کے صلہ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے جبکہ اس آیت """ اھدنا الصراط المستقیم """ میں ایسا کوئی معاملہ نہیں چاہیے تو یہ تھا کہ یہ آیت یوں ہوتی """ اھدنا الی الصراط المستقیم """۔۔۔۔۔

جواب::: یہاں ایصال اور حذف کے ضابطہ کے تحت دوسرے مفعول کے صلہ کو حذف کیا ہے جیسا کہ اس آیت میں کیا گیا ہے """واختار موسی قومہ"""۔۔۔۔۔۔

((بیان انواع الھدایہ))

سوال::: ہدایت کی کتنی اقسام ہیں؟؟؟

جواب::: ہدایت کی بے شمار اقسام ہیں اور ان کو گنا نہیں جا سکتا لیکن ہدایت کی چار اجناس ہیں جن میں یہ تمام اقسام شامل ہو جاتی ہیں۔۔۔۔۔

(1)انسان کے اندر ایسی قوت کا پیدا کرنا جس کے ذریعے وہ اپنے مصالح کو سمجھنے پہ قادر ہو جائے جیسا کہ قوت عقلیہ، حواس باطنہ اور مشاعر ظاہرہ وغیرہ۔۔۔۔

(2)حق و باطل اور صلاح و فساد کے درمیان فرق کرنے کے لیے دلائل قائم کرنا،،اور ہدایت کی اسی جنس کی طرف اللہ پاک نے اشارہ کیا ہے:::

ترجمہ کنزالعرفان::: اور ہم نے ان کو ہدایت کے دو راستے دکھائے۔۔۔۔

ایک اور جگہ پہ فرمایا:::

ترجمہ::: پس ہم نے ان کی رہنمائی کی تو انہوں نے ہدایت کی بجائے اندھے پن کو پسند کیا۔۔۔۔۔

(3)رسولوں کے بھیجنے اور کتاب نازل کرنے کے ذریعے ہدایت دینا،،اور اسی ہدایت کو اللہ پاک نے یوں فرمایا:::

ترجمہ :::اور ہم نے انہیں امام بنایا کہ ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے ہیں۔۔۔۔

ایک اور جگہ فرمایا:::

ترجمہ::: بے شک یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے۔۔۔۔۔

(4)ہدایت کی چوتھی جنس یہ ہے کہ اللہ پاک بندوں کے دلوں پہ اسرار و رموز کو کھول دے،،اشیاء کی حقیقتیں ان کو دکھا دے جیسا کہ یہ سب وحی الہام اور سچے خوابوں کی ذریعے ہوتا ہے،،اور یہ قسم انبیاء اور اولیاء کے ساتھ خاص ہے۔۔۔۔

اس جنس کے بارے میں فرمان باری تعالیٰ ہے:::

ترجمہ::: یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی پس تم ان کی ہدایت کی پیروی کرو۔۔۔۔

ایک اور جگہ پہ ارشاد ہے:::

ترجمہ::: اور وہ لوگ جنہوں نے ہمارے راستے میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھا دیں گے۔۔۔۔۔

نوٹ::: یہ چاروں اجناس ترتیب کے ساتھ پائی جاتی ہیں۔۔۔

سب سے پہلے انسان کے اندر وہ قوت پیدا ہوتی ہے جس کے ذریعے وہ ایسی چیزوں کو سمجھ سکے جو اس کے لیے بہتر ہیں اور پھر ان بہتر چیزوں کے ساتھ خراب چیزیں بھی ملی ہوتی ہیں لہذا مصالح کو مفاسد سے جدا کرنے کے لیے دوسری جنس کی ضرورت پیش آئی کہ دلائل قائم کر کے بہتر کو خراب سے جدا کیا جائے،، لیکن کچھ ایسی چیزیں ہوتی ہیں جن میں امتیاز کرنا مشکل ہوتا ہے کہ یہ چیز بہتر ہے یا خراب تو ایسی چیزوں کی نشاندھی کے لیے انبیاء کو بھیجا جاتا ہے اور کتاب اتاری جاتی ہے تاکہ لوگوں کو حق و باطل میں فرق معلوم ہو اور جب یہ تینوں اجناس کی ہدایات انسان میں آجاتی ہیں تب پھر اس پہ اسرار و رموز اور اشیاء کی حقیقتیں کھلنا شروع ہوتی ہیں۔۔۔۔۔

((بیان المراد من قولہ """اھدنا""" فی الآیۃ))

اعتراض::: سورۃ الفاتحہ بندوں کی زبانی کہلوائی گئی،، بندوں نے اللہ پاک کی صفات بیان کیں،، عبادت اور مدد مانگنے کو اللہ کے ساتھ خاص کیا تو معلوم ہوا کہ بندے ہدایت پر ہیں لیکن پھر """اھدنا""" کہ کر ہدایت کیوں طلب کی گئی جبکہ بندے تو پہلے سے ہدایت یافتہ ہیں اور تحصیل حاصل محال ہے۔۔۔۔۔

جواب::: یہاں """اھدنا""" سے مراد ہدایت میں زیادتی ہے یعنی جو ہدایت اللہ پاک کی طرف سے بندوں کو دی گئی ہے اس ہدایت میں اضافہ کرنا مقصود ہے یا اسی ہدایت پہ ثابت قدم رہنے کی دعا کی جارہی ہے کہ یا اللہ ہمیں اس ہدایت پہ ثابت قدم رکھ یا ہدایت کا اس سے بھی اوپر والا مرتبہ حاصل کرنا مقصود ہے یعنی انسان ہدایت کے جس مرتبے پہ ہے اس سے اوپر والا درجہ حاصل کرنا مقصود ہے۔۔۔۔

سوال::: جب عارف باللہ """اھدنا""" کہتا ہے تو اس سے کیا مطلب ہوتا ہے؟؟؟

جواب::: جب ایک عارف باللہ """اھدنا""" کہتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اے اللہ ہمیں اپنی طرف آنے والے راستے کی رہنمائی فرما تاکہ ہمارے احوال کی ظلمتیں مٹ جائیں اور ہمارے اجسام کے پردے کھل جائیں،، ہم تیرے نور سے روشن ہو جائیں اور تیرے نور سے تیری زیارت کریں۔۔۔۔۔

سوال::: امر اور دعا کس اعتبار سے مشترک ہیں اور کس اعتبار سے متفاوت ہیں؟؟؟

جواب::: اُمر اور دعا لفظا اور معنا مشترک ہیں کیونکہ دونوں میں طلب کا معنی پایا جاتا ہے۔۔۔۔

استعلاء اور تسفل کے اعتبار سے دونوں میں فرق ہے وہ اس طرح کہ حکم دینے والا خود کو بڑا سمجھتا ہے اگرچہ وہ چھوٹا ہو اور دعا کرنے والا خود کو چھوٹا سمجھتا ہے اگرچہ وہ بڑا ہو۔۔۔ لیکن یہ بھی کہا گیا ہے کہ حکم دینے والا حقیقت میں بڑا ہوتا ہے اور دعا کرنے والا حقیقت میں چھوٹا ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔

((تحقیق کلمۃ """الصراط"""))

سوال::: صراط اصل میں کیا تھا؟؟؟ اور اس کی وجہ تسمیہ بیان کریں۔۔۔۔

جواب::: صراط اصل میں """ سراط""" تھا،، جب کوئی کھانے والا شخص کھانا نگل لے تو کہا جاتا ہے """ سرط الطعام """،، چونکہ راستہ بھی اپنے مسافروں کو نگل لیتا ہے اس لیے اسے """ سراط """ کہتے ہیں۔۔۔ پھر سین کو صاد سے بدلا تاکہ یہ حروف مطبقہ میں سے ہونے کی وجہ سے طاء کے مطابق ہو جائے،، یعنی """ طاء اور صاد """ دونوں حروف مطبقہ میں سے ہیں تو سین کو صاد سے بدلا تاکہ صاد اور طاء دونوں میں مطابقت ہو جائے،، اور کبھی کبھی صاد کو """ زاء """ کی آواز کے ساتھ ملا کر پڑھا جاتا ہے تاکہ یہ مبدل منہ کے قریب ہو جائے۔۔۔ مبدل منہ کے قریب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ صاد کا مبدل منہ """ سین """ ہے اور """ سین اور زاء """ کا مخرج ایک ہے اس لیے صاد کو زاء کی آواز کے ساتھ ملا کر پڑھا جاتا ہے تاکہ یہ اپنے مبدل منہ کے قریب ہو جائے۔۔۔۔

سوال::: """ صراط """ کو کتنے طریقوں سے پڑھا گیا ہے ؟؟؟

جواب::: مصنف نے اس کی تین قرائتیں بیان کی ہیں:::

(1) ابن کثیر اور رویس نے اسے """ سین """ کے ساتھ پڑھا ہے یعنی سراط الذین انعمت علیھم۔۔۔

(2) حمزہ نے اشمام کے ساتھ پڑھا ہے،، یعنی صاد کو زاء کی آواز کے ساتھ ملا کر پڑھا ہے۔۔۔

(3) باقی قراء نے اسے """ صاد """ کے ساتھ پڑھا ہے۔۔۔ یہی قریش کی لغت ہے اور مصحف عثمانی میں بھی اسی طرح لکھا ہوا ہے۔۔۔

سوال::: سراط کی جمع بیان کریں۔۔۔

جواب::: سراط کی جمع """ سرط """ آتی ہے جیسے کتاب کی جمع """ کتب """۔۔۔۔۔

سوال::: صراط مذکر ہے یا مؤنث ؟؟؟

جواب::: جس طرح لفظ """ طریق """ مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہو سکتا ہے اسی طرح """ صراط """ بھی دونوں طرح استعمال ہو جاتا ہے۔۔۔

سوال::: صراط مستقیم سے کیا مراد ہے ؟؟؟

جواب::: صراط مستقیم سے مراد """ حق کا راستہ """ ہے،، یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ملت اسلامیہ ہے۔۔۔

سوال::: """ صراط الذین انعمت علیھم """ ترکیب کلام میں کیا بن رہا ہے ؟؟؟ اور اس کو لانے کا کیا فائدہ ہے ؟؟؟

جواب::: یہ ترکیب کلام میں ما قبل """ الصراط المستقیم """ کا بدل کل بن رہا ہے،، اور بدل کل تکریر عامل ((یعنی عامل کی تکرار)) کے حکم میں ہوتا ہے اس حیثیت سے کہ وہ مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے،، اس کو لانے کی وجہ سے اس بات پہ مزید تاکید اور تنصیص ہو گئی کہ مسلمانوں کا راستہ ہی سچا راستہ ہے،، کبھی کبھی مبدل منہ میں ابہام ہوتا ہے اور بدل اس ابہام کو آ کر دور کرتا ہے،، چونکہ

""""الصراط المستقیم """"میں خفاء تھا تو """"صراط الذین انعمت علیہم """"لا کر اس خفاء کو دور کیا کہ سچا راستہ مسلمانوں کا ہی راستہ ہے۔۔۔۔۔

سوال::: """"الذین انعمت علیہم """"میں انعام یافتہ لوگوں سے مراد کون سے لوگ ہیں؟؟؟

جواب::: اس بارے میں مصنف نے تین اقوال ذکر کیے ہیں:::

(1)انعام یافتہ لوگوں سے مراد انبیاء کرام ہیں۔۔۔

(2)انعام یافتہ لوگوں سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔۔۔۔

(3)یہاں سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وہ اصحاب ہیں جو تحریف و نسخ سے پہلے ان کو ماننے والے تھے۔۔۔۔۔

سوال::: """"صراط الذین انعمت """"کو مزید کس طریقے سے پڑھا گیا ہے؟؟؟

جواب::: ایک دوسری قرأت میں اس کو """"صراط من انعمت """"پڑھا گیا ہے۔۔۔۔

((بیان معنی النعمۃ و أقسامھا))

سوال::: انعام کا کیا مطلب ہے؟؟؟

جواب::: انعام کا مطلب ہے """"نعمت پہنچا دینا""""۔۔۔۔

سوال::: نعمت کسے کہتے ہیں؟؟؟اور یہ کس سے ماخوذ ہے؟؟؟

جواب::: نعمت اصل میں اس حالت کو کہتے ہیں جس سے انسان لذت حاصل کرتا ہے،، پھر مجازا ان چیزوں پہ بھی نعمت کا اطلاق ہونے لگا جو اس لذت والی حالت کا سبب بنتی ہیں۔۔۔۔

یہ """"نعمت """"بفتح النون سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے """"نرمی """"۔۔۔۔۔

سوال::: نعمت کی کتنی اور کون سی اجناس ہیں؟؟؟ تفصیل سے بیان کریں۔۔۔۔

جواب::: اگرچہ اللہ پاک کی نعمتیں بے شمار ہیں لیکن پھر بھی اس کی بنیادی طور پر دو اجناس ہیں:::

(1)دنیاوی

(2)اخروی

دنیاوی نعمتیں::: دنیاوی نعمتوں کی مزید دو اقسام ہیں """"موھبی اور کسبی """"،، آگے موھبی کی بھی دو اقسام ہیں """"روحانی اور جسمانی """"،، روحانی سے مراد بندے کے اندر روح پھونکنا اور اس کو عقل و شعور اور فہم و تدبر کی نعمت سے نوازنا،، جسمانی سے مراد بدن کی تخلیق کرنا، ایسی قوتیں پیدا کرنا جو انسانی جسم کے اندر حلول کیے ہوتی ہیں مثلا قوۃ محرکہ، قوۃ نامیہ، قوۃ ہاضمہ وغیرہ

اور ایسی ھیئات کو پیدا کرنا جو بدن کو عارض ہوتی ہیں مثلا صحت اور اعضاء کا کامل ہونا وغیرہ۔۔۔یہ تمام نعمتیں موھبی ہیں اور انسان کو بلا مشقت اللہ کی طرف سے بطور تحفہ عطا کی جاتی ہیں۔۔۔۔۔

کسبی نعمتوں سے مراد نفس کو بری چیزوں سے پاک کرنا،اس کو اچھے اخلاق سے متصف کرنا،بدن کو بہترین زیورات سے آراستہ کرنا اور مال و دولت کا حصول وغیرہ۔۔۔یہ تمام نعمتیں کسبی ہیں اور انسان کی کوشش سے اس کو ملتی ہیں۔۔۔۔

اخروی نعمتیں::: اخروی نعمتیں یہ ہیں کہ بندے کے گناہ بخش دیے جائیں،،اس سے راضی ہوا جائے اور اس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اعلی علیین میں مقرب فرشتوں کے ساتھ رکھا جائے۔۔۔۔

سوال::: """انعمت علیہم""" سے کون سی نعمتیں مراد ہیں؟؟؟اور ان نعمتوں کو کیوں مراد لیا گیا ہے؟؟؟

جواب::: اس سے مراد آخرت کی نعمتیں ہیں اور وہ نعمتیں مراد ہیں جو اخروی نعمتوں تک پہنچانے والی ہیں مثلا::: تزکیہ نفس وغیرہ۔۔۔۔۔

اور اخروی نعمتوں کو خاص طور پر اس لیے مراد لیا گیا ہے تاکہ مؤمنین کو خاص کر لیا جائے کیونکہ بقیہ نعمتوں میں مومنین اور کفار دونوں شامل ہیں،،اس لیے اخروی نعمتیں مراد لیں تاکہ مؤمنین خاص ہو جائیں کیونکہ یہ نعمتیں صرف مومنوں کے لیے ہیں۔۔۔۔

((بیان ربط الآیۃ بما قبلھا فی الاعراب))

سوال::: """غیر المغضوب علیہم ولا الضالین""" کا ما قبل آیت سے کیا تعلق ہے؟؟؟

جواب::: اس کے بارے میں مصنف نے دو اقوال ذکر کیے ہیں:::

(1) یہ """الذین""" سے بدل کل ہے،،اس صورت میں معنی یوں ہو گا کہ """انعام یافتہ وہ لوگ ہیں جو غضب اور گمراہی سے سلامت رہے"""۔۔۔

(2) یہ """الذین""" کی صفت مبینہ یا مقیدہ ہے،،اس صورت میں معنی یوں ہو گا کہ """ان لوگوں کا راستہ جو نعمت مطلقہ یعنی ایمان اور غضب و ضلال سے سلامتی کی نعمت کے جامع ہیں""" ((یعنی اے اللہ پاک ہمیں ان لوگوں کے راستے کی ہدایت عطا فرما جو مؤمنین ہیں اس کے ساتھ ساتھ گمراہی اور تیرے غضب سے سلامت ہیں))۔۔۔۔

اعتراض:: """غیر""" کو الذین اسم موصول کی صفت بنانا درست نہیں ہے کیونکہ موصوف اور صفت میں کچھ چیزوں میں مطابقت کا پایا جانا ضروری ہے اور ان میں ایک چیز دونوں کا معرفہ ہونا بھی ہے،،غیر ان اسماء میں سے ہے کہ اگر اسے معرفہ کی طرف مضاف بھی کر دیا جائے تب بھی یہ نکرہ رہتا ہے تو ثابت ہوا کہ """غیر """نکرہ ہے اور الذین تو ویسے ہی معرفہ ہے لہذا ان کو آپس میں موصوف صفت بنانا درست نہیں۔۔۔۔

جواب::: یہاں موصوف یا صفت میں تاویل کرنے سے دونوں کو آپس میں موصوف اور صفت بنانا درست ہو جائے گا۔۔۔

موصوف میں اس طرح تاویل کی جائے گی کہ یہاں اسم موصول سے مراد معہود فی الذہن ((یعنی عہد ذھنی)) ہے،، یہاں سے عہد خارجی مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ یہاں انعام یافتہ لوگوں سے مراد کوئی معین قوم مراد نہیں ہے بلکہ وہ تمام لوگ مراد ہیں جن پہ انعام کیا گیا((جبکہ عہد خارجی کے لیے ذہن میں معین ہونا شرط ہے)) لہذا ثابت ہوا کہ یہاں اسم موصول سے مراد عہد ذھنی ہے اور عہد ذھنی نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے لہذا الذین ((یعنی موصوف)) بھی نکرہ کے حکم میں ہو گیا اور صفت تو پہلے سے نکرہ ہے ،، تو یوں ان میں مطابقت پائی گئی اور غیر کو الذین کی صفت بنانا درست ہو گیا۔۔۔۔۔۔

صفت میں تاویل اس طرح ہو گی کہ اگر """غیر """ کو ایسے اسم کی طرف مضاف کیا جائے جس کی ایک ہی ضد ہو تو وہ اضافت کی وجہ سے معرفہ ہو جائے گا مثلاً اگر """غیر """ کو """سکون """ کی طرف مضاف کیا جائے تو وہ معرفہ ہو گا کیونکہ سکون کی ایک ہی ضد ہے اور وہ ہے """حرکت """،، یہاں بھی غیر کو """المغضوب علیہم """ کی طرف مضاف کیا گیا اور اس کی ضد بھی ایک ہے اور وہ ہے """انعام یافتہ لوگ """ لہذا یہاں بھی غیر معرفہ ہو گا اور اسے اسم موصول کی صفت بنانا درست ہو گا۔۔۔۔

سوال::: ابن کثیر نے """غیر """ پہ کیا اعراب پڑھا ہے؟؟؟ اور کیوں پڑھا ہے؟؟؟

جواب::: ابن کثیر نے اسے منصوب پڑھا ہے اور منصوب پڑھنے کی تین وجوہات ہیں:::

(1)"""انعمت علیہم """ میں ضمیر مجرور متصل سے اس کو حال بنایا ہے۔۔۔۔

(2)اس کے پیچھے """اعنی """ فعل محذوف نکالا ہے اور اس کی ضمیر سے اس کو مفعول بہ بنایا ہے۔۔۔۔

(3)نصب کی تیسری وجہ """استثناء """ ہے کہ اسے استثناء کی وجہ سے منصوب پڑھا ہے لیکن یہ اس وقت ہو گا جب نعمتوں سے عام نعمتیں مراد لی جائیں جو مسلمانوں پر بھی ہوں اور کافروں پہ بھی۔۔۔۔۔۔

سوال::: """غضب """ کا کیا مطلب ہے؟؟؟

جواب::: غضب کا مطلب ہے """انتقام کے وقت نفس کا جوش مارنا """۔۔۔۔۔

سوال::: کیا غضب کو اللہ عزوجل کی جانب منسوب کرنا درست ہے؟؟؟

جواب::: حقیقی معنی کو دیکھا جائے تو اس کی اسناد رب ذوالجلال کی طرف کرنا درست نہیں ہے لیکن یہاں سے اس کا انتہاء معنی مراد لیا جائے گا اور وہ ہے """نقصان پہنچانا """((یعنی عذاب دینا سزا دینا وغیرہ))۔۔۔۔۔۔

سوال::: المغضوب علیہم میں """علیہم """ کا محل اعراب کیا ہے؟؟؟

جواب::: یہ محل رفع میں ہے کیونکہ اسے """المغضوب """ کا نائب الفاعل بنایا جائے گا۔۔۔۔۔۔

سوال::: غیر المغضوب علیہم ولا الضالین میں """لا """ کو کیوں ذکر کیا گیا؟؟؟

جواب::: """غیر """ کے اندر جو نفی کا معنی پایا جا رہا تھا اس نفی کے معنی کو مزید پختہ کرنے کے لیے """لا """ کو ذکر کر دیا گیا۔۔۔۔۔۔

سوال::: """ضلال""" کا کیا مطلب ہے؟؟؟

جواب::: ضلال کا مطلب سیدھے راستے سے پھر جانا چاہے غلطی سے پھرا ہو یا جان بوجھ کر،، دونوں صورتوں میں اسے ضلال ہی کہیں گے،، گمراہی کے بہت زیادہ درجات ہیں ان میں سے سب سے ادنی ترک اولی ہے اور سب سے بڑا درجہ کفر ہے اور ان دونوں کے درمیان کافی فرق ہے یعنی ان دونوں درجات کے درمیان گمراہی کے کثیر درجات پائے جاتے ہیں۔۔۔۔۔۔

((بیان المراد من قولہ """المغضوب علیہم """))

سوال::: المغضوب علیہم اور ولا الضالین سے کون لوگ مراد ہیں؟؟؟

جواب::: کہا گیا ہے کہ المغضوب علیہم سے مراد یہودی ہیں کیونکہ اللہ پاک کا فرمان ہے:::

ترجمہ کنزالعرفان::: یہ وہ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور ان پر غضب فرمایا۔۔۔

اور """الضالین""" سے مراد عیسائی ہیں،، جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:::

ترجمہ کنزالعرفان::: جو پہلے خود بھی گمراہ ہو چکے ہیں اور بہت سے دوسرے لوگوں کو بھی گمراہ کر چکے ہیں۔۔۔۔۔

قاضی صاحب اس حوالے سے ایک اور قول بھی بیان فرماتے ہیں کہ """المغضوب علیہم """ سے مراد نافرمان لوگ ہیں اور """ الضالین """ سے مراد وہ جاہل لوگ ہیں جنہیں اللہ کا نہیں پتا،، کیونکہ منعم علیہ وہ لوگ ہیں جنہیں حق کی معرفت اور اچھے عمل کی توفیق عطا کی گئی اور ان کے مقابلے میں آنے والے دو گروہ ہیں ایک وہ گروہ ہے جس نے اچھے اعمال چھوڑ کر برے اعمال اختیار کر لیے ہیں وہ فاسق ہیں اور المغضوب علیہم ہیں،، دوسرا وہ گروہ ہے جس کے پاس علم نہیں اور ان کے عقائد خراب ہو گئے ہیں تو ایسے لوگ گمراہ یعنی """الضالین""" ہیں۔۔۔۔

سوال::: """ولا الضالین""" کی ایک دوسری قرات بیان کریں۔۔۔

جواب::: اس کو """ولا الضآلین""" بھی پڑھا گیا ہے یعنی """ضاد""" کے بعد والے الف کو ھمزہ مفتوحہ سے تبدیل کر دیا،، اور یہ ان لوگوں کی لغت ہے جو التقاء ساکنین سے دور بھاگتے ہیں۔۔۔۔

((ابحاث """آمین"""))

سوال::: """آمین""" ترکیب کلام میں کیا بنتا ہے؟؟؟ اور یہ کس معنی میں ہے؟؟؟

جواب::: یہ اسم فعل ہے اور """استجب""" ((یعنی قبول کر)) کے معنی میں ہے۔۔۔۔

اس بات کی تائید حضرت ابن عباس والی حدیث سے بھی ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے مطلب کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا """افعل""" ((یعنی افعل فعل استجابۃ،، اے اللہ قبول کر))۔۔۔۔

سوال::: اگر آمین اسم فعل ہے تو اسے مبنی بر سکون ہونا چاہیے لیکن یہ مبنی بر فتح کیوں ہے؟؟؟

جواب::: جس طرح اٰین کو التقاء ساکنین سے بچنے کے لیے مبنی بر فتح کیا گیا ہے اسی طرح آمین کو بھی مبنی بر فتح بنا دیا تا کہ التقاء ساکنین نہ ہو جائے۔۔۔۔

سوال::: آمین کو کس کس طریقے سے پڑھا جا سکتا ہے؟؟؟

جواب::: آمین کو الف کی مد کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے اور بغیر مد کے بھی۔۔۔

الف کی مد کے ساتھ پڑھنے کی دلیل مجنوں کا شعر ہے::::

ویرحم اللہ عبدا قال آمینا((اس شعر میں آمین کے آخر میں الف محض وزن شعری کی محافظت کے لیے آیا ہے))۔۔۔۔

بغیر مد کے پڑھنے کی دلیل ایک اور عربی شعر ہے:::

اٰمین فزاد اللہ ما بیننا بعدا

سوال::: کیا""آمین""قرآن کریم کا حصہ ہے؟؟؟

جواب::: آمین بالاتفاق قرآن پاک کا حصہ نہیں ہے۔۔۔

سوال::: آمین کو پڑھنے کا کیا حکم ہے؟؟؟

جواب::: سورۃ الفاتحہ کو مکمل کر کے ""آمین"" کہنا سنت ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا""مجھے سورۃ فاتحہ کی قرأت سے فارغ ہونے کے بعد آمین کہنے کا حکم جبریل نے سنایا ہے""۔۔۔۔

ایک اور فرمان نبوی ہے کہ ""آمین خط پہ مہر کی طرح ہے""۔۔۔۔

حضرت علی کا ایک قول بھی اس بات کی تائید کرتا ہے،،چنانچہ مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں:::

""آمین""رب العالمین کی مہر ہے،،اس نے اپنے بندے کی دعا اس پہ ختم کی۔۔۔۔

((بیان الاحکام الفقیہۃ للتائمین))

سوال::: نماز میں ""آمین"" کہنے کا کیا حکم ہے؟؟؟

جواب::: مصنف چونکہ مسلک کے اعتبار سے شافعی ہیں اس لیے وہ فرماتے ہیں کہ امام نماز میں بلند آواز سے آمین کہے گا کیونکہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ""ولا الضالین""پڑھتے تھے تو اپنی آواز کو بلند کرتے ہوئے آمین کہتے تھے۔۔۔

لیکن امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق امام آمین نہیں کہے گا،،امام اعظم سے مشہور روایت یہ ہے کہ امام آہستہ آواز میں آمین کہے گا جیسا کہ حضرت انس اور حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہما کی روایت ہے،،اور مقتدی امام کے ساتھ آہستہ آواز میں آمین کہیں گے۔۔۔۔دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ ""جب امام ولا الضالین کہتا ہے تو تم آمین کہو پس بے شک ملائکہ بھی آمین کہتے ہیں،،پس جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے مشابہ ہو گئی اس کے پچھلے گناہ بخش

دیے جائیں گے """((ملائکہ کی آمین سے موافقت سے مراد آہستہ آواز میں آمین کہنا ہے کیونکہ فرشتے بھی آہستہ آواز میں کہتے ہیں لہذا ان کی موافقت کرتے ہوئے نمازیوں کو بھی آہستہ آواز میں آمین کہنا چاہیے))۔۔۔۔۔

((الاحادیث المرویۃ فی فضل سورۃ الفاتحہ))

سوال::: سورۃ فاتحہ کے فضائل احادیث کی روشنی میں بیان کریں۔۔۔

جواب::: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب سے فرمایا """کیا میں تمہیں ایسی سورت کی خبر نہ دوں جس کی مثل سورت تورات، انجیل اور قرآن میں نازل نہیں ہوئی؟؟؟""" انہوں نے عرض کی کیوں نہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا""" وہ فاتحۃ الکتاب ہے،، وہ سبع مثانی ((یعنی دو دفعہ نازل ہونے والی سات آیات)) اور قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا کیا گیا"""۔۔۔۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے درمیان تشریف فرما تھے کہ ایک فرشتہ آیا اور اس نے عرض کی """آپ کو ایسے دو نوروں کی خوشخبری ہو جو آپ سے پہلے کسی کو نہیں دیے گئے،، ایک سورۃ فاتحۃ الکتاب اور دوسرا نور سورۃ البقرہ کی آخری آیات ہیں"""۔۔۔آپ ان میں سے ایک بھی حرف پڑھیں گے تو اس کے بدلے آپ کو ثواب ملے گا۔۔۔۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے """بے شک اللہ پاک کسی قوم پہ عذاب بھیجنے کا پختہ ارادہ رکھتا ہے تو ان میں سے ایک بچہ سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کرتا ہے پس اللہ اسے سن کر چالیس سال کے لیے اس قوم سے عذاب اٹھا لیتا ہے۔۔۔۔

((سورۃ البقرہ))

سوال::: سورۃ البقرہ مکی ہے یا مدنی؟؟؟

جواب::: سورۃ البقرہ مدنی ہے۔۔۔

سوال::: سورۃ البقرہ کی کتنی آیات ہیں؟؟؟

جواب::: اس کی 287 آیات ہیں۔۔۔۔

((بیان اسمیۃ حروف الھجاء))

سوال::: وہ تمام الفاظ جن کے ذریعے حروف تہجی کو شمار کیا جاتا ہے ((مثلاً الف، لام، میم)) ان کو کیا کہا جاتا ہے؟؟؟

جواب::: ان کو اسماء کہا جاتا ہے اور ان کے مسمیات وہ حروف مبانی ہیں جن سے کلام مرکب ہوتا ہے ((مثلاً ا، ب، ت وغیرہ)) ،، ان الفاظ کو اسماء کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اسم کی تعریف میں داخل ہیں اور پھر ان میں اسم کی نشانیاں بھی پائی جاتی ہیں مثلاً معرفہ

اور نکرہ ہونا((الالف،الف))ان کا جمع ہونا((الفات))تصغیر کا آنا((الیف))اور اس کے علاوہ دیگر نشانیاں بھی پائی جاتی ہیں۔۔۔۔۔۔

امام خلیل نے بھی اسی بات کی صراحت کی ہے کہ وہ الفاظ((مثلا:::الف، باء،تاء))جن کے ذریعے حروف مبانی((مثلا:::ا،ب ،ت))کو شمار کیا جاتا ہے اسماء کہلاتے ہیں۔۔۔۔۔۔

اعتراض::: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا""جس نے کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھا تو اس کو ایک نیکی ملے گی اور وہ ایک نیکی دس کے برابر ہو گی،،میں یہ نہیں کہتا کہ ""الم""ایک حرف ہے بلکہ ""الف""ایک علیحدہ حرف ہے""لام"" ایک علیحدہ حرف ہے اور ""میم""ایک علیحدہ حرف ہے""۔۔۔۔۔۔۔

اس حدیث مبارک میں وہ الفاظ جن کے ذریعے حروف مبانی شمار کیے جاتے ہیں انہیں حرف قرار دیا گیا ہے جبکہ آپ کہتے ہیں کہ یہ اسماء ہیں۔۔۔۔۔

جواب::: اس کے دو جواب ہیں:::

(1)یہاں حرف سے مراد حرف اصطلاحی نہیں ہے کیونکہ وہ حرف جو نحویوں کی اصطلاح ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارک کے بعد وجود میں آئے،، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری حیات میں حرف کی نحویوں والی اصطلاح ابھی وجود میں ہی نہیں آئی تھی،، تو ثابت ہوا یہاں سے مراد حرف اصطلاحی نہیں ہے۔۔۔۔۔۔

(2)ہو سکتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان الفاظ کے مدلولات کا نام انہیں دے دیا ہو یعنی جس چیز پہ یہ الفاظ((یعنی الف،لام اور میم))دلالت کرتے ہیں وہ حروف ہیں تو ہو سکتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے مدلول کی وجہ سے انہیں بھی حروف کہ دیا ہو۔۔۔۔۔۔

سوال::: حروف کے اسماء((مثلا:::الف، باء،تاء وغیرہ))کو یہی خاص صورت کیوں دی گئی؟؟؟((خاص صورت دینے سے مراد یہ ہے کہ حرف""ا""کا اسم""الف""ہے جبکہ حرف""ب""کا اسم""باء""ہے،،یعنی جس حرف کا جو اسم ہے اس اسم کا پہلا حرف وہی حرف کیوں ہے جو اس اسم کا مسمی ہے،، مثلا::: حرف""ب""کا اسم""باء""ہے یعنی یہ حرف بھی""ب""ہے اور اس کا اسم بھی""ب""سے شروع ہو رہا ہے))۔۔۔۔۔

جواب::: یہاں مسمیات ایک ایک حرف ہیں جبکہ ان کے اسماء مرکب ہیں،، پس ان اسماء کا آغاز ان کے مسمیات سے کیا گیا تا کہ ان اسماء کی ادائیگی اپنے مسمیات کے ساتھ سب سے پہلے کانوں میں پڑے۔۔۔۔۔

سوال::: حرف"ا"کے اسم""الف""کو ہمزہ سے کیوں شروع کیا گیا ہے؟؟؟

جواب::: اس اسم((یعنی الف))کو ہمزہ سے شروع کیا گیا ہے الف سے نہیں،، کیونکہ الف ساکن ہوتا ہے اور ساکن سے ابتداء محال ہوتی ہے لہذا الف کی جگہ ہمزہ سے اس اسم کو شروع کر دیا گیا۔۔۔۔۔

سوال::: حروف کے اسماء((مثلا:::الف، باء، تاء وغیرہ))کے اعراب کا کیا حکم ہے؟؟؟ یہ معرب ہوں گے یا مبنی؟؟؟

جواب::: مصنف فرماتے ہیں جب تک ان پہ عامل نہیں آئے گا تب تک یہ اعراب سے خالی رہیں گے کیونکہ اعراب کو واجب کرنے والی چیز یعنی عامل نہیں پایا جارہا،، لیکن یہ اسماء اعراب کو قبول کرنے والے بھی ہیں کیونکہ یہ مبنی الاصل کے مشابہ نہیں ہیں۔۔۔۔

((بیان کیفیۃ ورود الحروف حسب العدد))

سوال::: قرآن کریم کی مختلف سورتیں حروف مقطعات سے شروع ہوتی ہیں،، لیکن کچھ سورتوں کے شروع میں ایک ایک، کچھ میں دودو، کچھ مین تین تین، کچھ میں چار چار اور کچھ میں پانچ پانچ حروف مقطعات ذکر کیے گئے ہیں،، اس کی کیا وجہ ہے؟؟؟

جواب::: سورتوں کے ایک شروع میں ایک ایک، دودو، تین تین، چار چار، پانچ پانچ حروف مقطعات اس بات کی خبر دینے کے لیے ذکر کیے گئے ہیں کہ جس کے ذریعے چیلنج کیا گیا ہے((یعنی قرآن))وہ انہی کلمات سے مرکب ہے جن کے ذریعے کفار اپنا کلام مرکب کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ مقابلے سے عاجز ہیں کیونکہ یہ اللہ کا کلام ہے۔۔۔۔

سوال::: ایک ایک حرف والے حروف مقطعات کتنے اور کون سے ہیں اور انہیں کتنی سورتوں کے شروع میں ذکر کیا گیا ہے؟؟؟

جواب::: ایک ایک حرف والے حروف مقطعات تین ہیں((ص، ق، ن))اور ان کو تین سورتوں کے کے شروع میں ذکر کیا کیونکہ یہ تینوں مفردات کلمے کی تینوں اقسام میں پائے جاتے ہیں((مراد یہ ہے کہ اسم حرف اور فعل بھی ایک ایک حرف کے ہو سکتے ہیں مثلا""کاف((ک))""ضمیر یہ اسم ہے لیکن یہ حرف ایک ہی ہے،،""ق""یہ فعل ہے امر حاضر معروف کا صیغہ ہے لیکن ایک ہی حرف ہے،، واو عاطفہ یہ حرف ہے))۔۔۔۔۔

سوال::: وہ حروف مقطعات جن میں محض دودو حروف آتے ہیں وہ کتنے ہیں اور کتنی سورتوں کے شروع میں ان کو ذکر کیا گیا ہے؟؟؟

جواب::: وہ حروف مقطعات جن میں دودو حروف ہیں وہ چار ہیں((طه، یس، طس، حم))اور ان کے چار ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ کلمے کی تین اقسام میں چار طریقوں سے استعمال کیے جاتے ہیں((مراد یہ ہے اسم فعل اور حرف دودو حروف سے بھی مرکب ہو سکتے ہیں))،، ان کے استعمال کی چاروں صورتیں درج ذیل ہیں:::

(1)حرف میں بغیر حذف کے استعمال ہونا مثلا:::"بل"((یعنی اس میں سے کچھ بھی حذف نہیں کیا گیا بلکہ یہ اصل میں ہی ایسے ہے))

(2)فعل کے اندر حذف کے ساتھ استعمال ہونا مثلا:::"قل"،، یہ اصل میں""قل""نہیں تھا بلکہ بقیہ حروف کو حذف کر کے اسے""قل""بنایا گیا ہے۔۔۔۔

(3)اسم کے اندر حذف کے ساتھ استعمال ہونا مثلا::: """دم"""((یعنی یہ اصل میں """دم""" تھا بلکہ اس کے بعض حروف کو حذف کر کے اسے """دم""" بنایا گیا ہے))۔۔۔۔

(4)اسم میں حذف کے بغیر استعمال ہونا مثلا::: "من"۔۔۔۔

دو دو حروف والے حروف مقطعات نو سورتوں کے شروع میں آتے ہیں،،وجہ یہ ہے کہ یہ والے حروف کلمے کی تینوں اقسام میں تین طریقوں سے استعمال ہوتے ہیں،،یعنی اسم فعل اور حرف تینوں صورتوں میں ان کے استعمال ہونے کے تین طریقے ہیں:::

(1)فاء کلمہ کے فتح کے ساتھ

(2)فاء کلمہ کے ضمہ کے ساتھ

(3)فاء کلمہ کے کسرہ کے ساتھ

اسم میں ان کی مثالیں:::

من((فاء کلمہ کے فتحہ کے ساتھ))اذ((فاء کلمہ کے کسرہ کے ساتھ))ذو((فاء کلمہ کے ضمہ کے ساتھ))۔۔۔۔

فعل میں ان کی امثلہ:::

قل((ضمہ کے ساتھ))بع((کسرہ کے ساتھ))خف((فتحہ کے ساتھ))۔۔۔۔۔

حرف میں ان کی مثالیں:::

من((کسرہ کے ساتھ))، أن((فتحہ کے ساتھ))، مذ((ضمہ کے ساتھ))۔۔۔۔۔۔

نتیجتاً یہ کہ دو دو حروف والے حروف مقطعات نو سورتوں کے شروع میں استعمال ہوئے کیونکہ کلمے کی تین اقسام ہیں اور ہر ایک میں یہ تین تین طریقوں سے استعمال ہوتے ہیں یعنی ان کے استعمال کی کل صورتیں نو ہیں پس اسی وجہ سے یہ نو سورتوں کے شروع میں آ گئے۔۔۔۔

سوال::: وہ حروف مقطعات جو تین حروف سے بنتے ہیں وہ کتنے اور کون سے ہیں؟؟؟ نیز کتنی سورتوں کے شروع میں استعمال ہوئے ہیں؟؟؟

جواب::: وہ حروف مقطعات جو تین تین حروف سے بنے ہیں وہ تین ہیں((الم،الر، طسم))یہ تین اس وجہ سے ہیں کیونکہ کلمے کی بھی تین اقسام ہیں۔۔۔۔

یہ تیرہ سورتوں کے شروع میں استعمال ہوئے ہیں کیونکہ کلمہ کے تیرہ اوزان مستعمل ہیں،،ان میں سے دس اسم کے ہیں اور تین فعل کے،،یعنی کلمہ کے تیرہ اوزان ہیں پس اسی نسبت سے یہ تیرہ سورتوں کے شروع میں ذکر کر دیے گئے۔۔۔۔

سوال::: چار اور پانچ حرفی حروف مقطعات کتنے اور کون کون سے ہیں؟؟؟

جواب::: چاراور پانچ حرفی حروف مقطعات دو دو ہیں((المص،المر یہ چار حرفی ہیں،، کھیعص اور حم عسق یہ پانچ حرفی ہیں)) یہ دو اس لیے ہیں تاکہ اس بات تنبیہ ہو جایے کہ رباعی اور خماسی کی دو دو اقسام ہیں:::

(1)اصل

(2)ملحق

رباعی اصل اور رباعی ملحق کی مثالیں:::

جعفر((یہ اصل ہے))قردد((یہ ملحق ہے))۔۔۔۔

خماسی اصل اور خماسی ملحق کی مثالیں:::

سفرجل((یہ اصل ہے))جحنفل((یہ ملحق ہے))۔۔۔۔۔

سوال::: تمام حروف مقطعات کو ایک ہی دفعہ قرآن کے شروع میں ذکر کیوں نہیں کر دیا گیا؟؟؟متفرق سورتوں کے شروع میں کیوں ذکر کیا گیا،،چاہیے تو یہ تھا کہ سارا افائدہ ایک ہی دفعہ حاصل کر لیتے۔۔۔۔۔

جواب::: قرآن کے شروع میں سب کو ایک ہی دفعہ ذکر نہیں کیا گیا بلکہ مختلف سورتوں کے شروع میں ذکر کیا گیا تاکہ کفار کو کیے گئے چیلنج کا تکرار ہوتا ہے،،اگر یہاں سے مبالغہ مراد لینا ہے تو معنی یہ ہو گا کہ جس کلام کے مقابلے میں عربوں کا کلام پیش کرنے کا چیلنج کیا گیا ہے وہ کلام انہی حروف سے مرکب ہے جن کے ذریعے اہل عرب اپنا کلام بناتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ اس کلام کے سامنے عاجز آ گئے۔۔۔۔۔۔

((بیان الاقوال الواردة فی الحروف المقطعة))

سوال::: جن مفسرین کے نزدیک حروف مقطعات سورتوں کے نام ہیں ان کے نزدیک ان کو سورتوں کے نام کہنے کی وجہ کیا ہے؟؟؟نیز وہ اس مؤقف پہ کیا دلیل دیتے ہیں؟؟؟

جواب::: اکثر مفسرین کے نزدیک حروف مقطعات سورتوں کے نام ہیں،،ان کو سورتوں کا نام اس لیے قرار دیا ہے تاکہ اس بات کی طرف اشارہ ہو جائے کہ یہ سورتیں ایسے کلمات سے مرکب ہیں جن کی ترکیب مشہور و معروف ہے پس اگر یہ سورتیں اللہ کا کلام نہ ہوتیں تو عرب ان کا مقابلہ کرنے سے عاجز نہ آتے۔۔۔۔۔۔

مفسرین اپنے مؤقف پہ دلیل دیتے ہیں کہ اگر ان حروف مقطعات کا کوئی مفہوم نہ ہو تو یہ ایسے ہی ہو گا جیسے مہمل کلام کے ذریعے خطاب کیا جائے یا حبشی زبان والا عربی النسل سے کلام کرے اور اس صورت میں مکمل قرآن کریم ہدایت بھی نہیں قرار دیا جائے گا اور نہ ہی مکمل قرآن کے ذریعے چیلنج کرنا ممکن ہو گا((یعنی جب حروف مقطعات کا کوئی مفہوم نہ مانا جائے تو اس صورت میں مکمل قرآن کو ہدایت بھی نہیں کہا جا سکتا اور نہ ہی مکمل قرآن کے ذریعے کسی کو چیلنج کیا جا سکتا ہے))،،اگر ان حروف کا کوئی مفہوم مانا جائے تو دو صورتیں بنیں گی یا تو یہ سورتوں کے نام ہوں گے یا سورتوں کے علاوہ کوئی اور معنی مراد لیا جائے گا یہ دوسری

صورت باطل ہے کیونکہ یاتووہ معنی مراد لیاجائے گا جس کے لیے ان حروف مقطعات کو لغت عرب میں وضع کیا گیا ہے اور ظاہر سی بات ہے یہ کسی اور معنی کے لیے وضع نہیں کیے گئے یاان سے مراد ہوگا کہ یہ عربی لغت کے علاوہ کسی اور معنی کے لیے وضع ہوئے ہیں تو یہ صورت بھی باطل ہے کیونکہ قرآن کریم سارے کا سارا عربی میں ہے۔۔۔۔۔

((بیان الاعتراضات علی ھذا القول وجواب الاعتراضات الواردۃ))

ضروری نوٹ::: پچھلی فصل میں بیان ہوا تھا کہ حروف مقطعات سے مراد محض سورتوں کے نام ہیں اس کے علاوہ دوسرا معنی مراد نہیں لیا جاسکتا،،اب اس قول پہ چند اعتراضات ہوں گے اور ان کے جوابات دیے جائیں گے۔۔۔

اعتراض::: حروف مقطعات صرف سورتوں کے نام ہو سکتے ہیں یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ یہ تنبیہ،انقطاع((یعنی ایک جملے کو دوسرے جملے سے جدا کرنے))اور استئناف((یعنی دوسرا جملہ شروع کرنے))کے لیے بھی استعمال ہو سکتے ہیں۔۔۔۔

جواب::: یہ اعتراض درست نہیں ہے کیونکہ عربی لغت میں حروف مقطعات کو تنبیہ کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا،،رہی بات انقطاع اور استئناف کی تو یہ((یعنی انقطاع اور استئناف))ان سورتوں کا بھی ہوتا ہے جن کے شروع حروف مقطعات نہیں ہوتے۔۔۔۔

اعتراض::: حروف مقطعات کے آنے کا مقصد ان کلمات کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے جن کے یہ مخفف ہیں مثلا:::ایک شاعر کا قول ہے کہ میں نے اپنی محبوبہ کو کہا کھڑی ہو جا پس ان کے کہا""قاف""یعنی((قفت))میں کھڑی ہو گئی،،اس بات پہ حضرت ابن عباس کے اقوال بھی دلالت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں""الف کا مطلب ہے آلاء اللہ یعنی اللہ کی نعمتیں،لام کا مطلب ہے لطف،میم کا مطلب ہے ملک""اس طرح کے دیگر اقوال بھی مروی ہیں۔۔۔۔

جواب::: یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کیونکہ عربی لغت میں ان کو کسی معین کلمہ کے مخفف کے طور پر استعمال نہیں کیا جاتا،،جو شعر بطور دلیل پیش کیا گیا ہے وہ شاذ ہے((یعنی یہ محض اسی ایک شاعر کا شعر ہے اس کے علاوہ کسی کا نہیں تو اس کو دلیل نہیں بنا سکتے))حضرت ابن عباس کے اقوال نہ تو ان کلمات کی تفسیر ہیں اور نہ ہی ان کی تخصیص،،ان کا مطلب محض خوبصورت مثالیں بیان کرنا اور یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ حروف اللہ پاک کے اسماء کا منبع ہیں۔۔۔۔

اعتراض::: حروف مقطعات سے مراد علم ابجد کے حساب سے اقوام کی مدت کو شمار کرنا ہے کہ یہ قوم کب تک باقی رہے گی ؟؟؟مثلا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہود کے سامنے""الم""کی تلاوت کی تو یہودیوں نے ان حروف مقطعات کو علم ابجد کے حساب سے پرکھ کر اکہتر(71)سال بنائے((یعنی الف کا"1"،لام کے"30"میم کے"40"))اور کہا کہ ہم اس دین میں کیسے داخل ہوں جس کی مدت محض اکہتر سال ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے،،پس یہودیوں نے پوچھا کہ کیا ان کے علاوہ بھی کوئی حروف ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے""المص،الر،المر""کی تلاوت فرمائی،،وہ کہنے لگے کہ یہ معاملہ ہم پہ مشتبہ ہو گیا ہے کہ ہم کس چیز کو اختیار کریں،،پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان حروف کو ترتیب سے

بیان کرنااور یہودیوں کے اس استنباط پہ خاموش رہنااس بات کی دلیل ہے کہ یہ حروف علم ابجد کے حساب سے قوموں کی مدت شمار کرنے کے لیے ہیں۔۔۔

جواب::: اس حدیث میں اس بات پہ کوئی دلیل نہیں پائی جارہی کہ حروف مقطعات علم ابجد کے حساب سے اقوام کی مدت کو شمار کرنے کے لیے ہیں،،اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہود کی جہالت پہ مسکرائے تھے نہ کہ اس بات پر کہ ان کا استنباط کرنا درست ہے۔۔۔۔۔

اعتراض::: حروف مقطعات ان حروف میں سے ہیں جن کے ذریعے قسم اٹھائی جاتی ہے کیونکہ ان سے اللہ پاک کے اسماء شروع ہوتے ہیں،، چونکہ اللہ پاک کے اسماء شرف والے ہیں اور اس نسبت سے یہ حروف بھی شرف والے ہیں لہذا ان کے شرف کی بناء پر ان کے ذریعے قسم اٹھائی جاتی ہے۔۔۔۔

جواب::: ان حروف کے ذریعے قسم اٹھانا اگرچہ منع نہیں ہے لیکن اس صورت میں کئی اشیاء کو بغیر دلیل کے پوشیدہ ماننا پڑے گا اور یہ چیز جائز نہیں۔۔۔۔

اعتراض::: حروف مقطعات کو سورتوں کے اسماء بنانا درست نہیں کیونکہ عربی لغت میں تین یا تین سے زائد اسماء کے مجموعہ سے کسی کا نام رکھنا انتہائی ناپسندیدہ ہے نیز اس صورت میں اسم اور مسمی کا اتحاد لازم آئے گا اور اس کے ساتھ ساتھ جزء کا کل سے مؤخر ہونا بھی لازم آئے گا۔۔۔

جواب::: عربوں کے نزدیک تین یا تین سے زیادہ اسماء کے ذریعے کسی چیز کا نام رکھنا اس وقت ناپسندیدہ ہوگا جب ان کو مرکب بنائی بنا کر کسی چیز کا نام رکھا جائے مثلا """بعلبک""" لیکن اگر ان تینوں اسماء کو اسماء اعداد کی طرح الگ الگ شمار کیا جائے اور اس کے ساتھ کسی چیز کا نام رکھا جائے تو اس صورت میں ناپسندیدہ نہیں ہوگا۔۔۔

یہاں پہ اسم اور مسمی کا اتحاد بھی لازم نہیں آرہا اور نہ ہی کل کا جزء پہ مقدم ہونا لازم آرہا ہے کیونکہ مکمل سورت """مسمی""" ہے اور اس کا اسم اس کا جزء ہے،، پس نہ یہاں پہ اتحاد لازم آرہا ہے اور نہ کل کا جزء پہ مقدم ہونا لازم آرہا ہے۔۔۔۔۔

((بیان القول الراجح مع وجوہ الترجیح))

سوال::: حروف مقطعات کے بارے میں پیچھے جو اقوال بیان ہوئے ہیں ان میں سے کون سا قول راجح ہے؟؟؟

جواب::: پہلا قول راجح ہے((پہلا قول یہ تھا کہ یہ حروف تہجی کے نام ہیں))،، یہ راجح اس وجہ سے ہے کیونکہ یہ تحقیق کے زیادہ قریب ہے۔۔۔۔۔

سوال::: حروف مقطعات کے بارے میں بقیہ اقوال بیان کریں۔۔۔

جواب::: ایک قول یہ ہے کہ حروف مقطعات قرآن کے اسماء ہیں اسی لیے کثیر سورتوں میں ان اسماء کی خبر """کتاب اور قرآن""" کے ساتھ لائی گئی ہے((مثلا::: """الم ذلک الکتاب،، الر تلک آیات الکتاب وقرآن مبین))۔۔۔

ایک قول کے مطابق یہ اللہ پاک کے اسماء ہیں اور اس بات پہ مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا قول دلالت کرتا ہے وہ فرماتے تھے """یا کھیعص،، یا حمعسق """،، شاید حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی ان الفاظ سے مراد یہ ہو کہ """اے ان دونوں سورتوں کو اتارنے والے """۔۔۔۔

ایک قول یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ """الف """حلق کے نچلے حصے سے ادا ہوتا ہے اور یہ مخارج کا مبدأ ہے،، """لام """زبان کے کناروں سے ادا ہوتا ہے اور زبان مخارج کا وسط ہے،، """میم """ہونٹوں سے ادا ہوتا ہے اور ہونٹ مخارج کا آخر ہیں،، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بندے کو اپنے کلام کے آغاز، وسط اور آخر میں اللہ پاک کا ذکر کرنا چاہیے۔۔۔۔۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ ان حروف کا علم محض اللہ پاک کو ہے،، خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ سے بھی ایسی روایات مروی ہیں لیکن اگر ان حروف کے علم کو صرف اللہ کے ساتھ خاص کیا جائے تو اللہ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غیر مفید کلام کرنا لازم آئے گا تو یہ بعید از قیاس ہے،، پس بہتر یہی ہے کہ یوں کہا جائے کہ حروف مقطعات اللہ اور اس کے رسول کے درمیان راز ہیں۔۔۔۔۔

((بیان اعراب ھذہ الحروف))

سوال::: اگر حروف مقطعات کو اللہ پاک، قرآن یا سورتوں کے اسماء مانا جائے تو ان پہ کون کون سا اعراب آئے گا؟؟؟ تفصیل سے بیان کریں۔۔۔۔

جواب::: مذکورہ صورت میں ان پہ تینوں اعراب ((رفع، نصب اور جر)) آسکتے ہیں،، رفع آنے کی وجہ ان کا مبتداء یا خبر ہونا ہے،، اگر ان کو منصوب پڑھا جائے تو اس صورت میں ان سے پہلے فعل قسم کو مقدر ماننا پڑے گا،، جر کی صورت میں ان سے پہلے حرف قسم کو پوشیدہ ماننا پڑے گا۔۔۔۔۔

سوال::: حروف مقطعات کا اعراب لفظی طور پر آئے گا یا حکایتی طور پر؟؟؟

جواب::: وہ حروف مقطعات جو مفرد ہوں ((مثلاً ص، ق، ن وغیرہ)) یا مفرد کے وزن پہ ہوں مثلاً::: """حم """ھابیل کی طرح ہے،، تو ان حروف کا اعراب لفظی اور حکایتی طور پر دونوں طریقوں سے آسکتا ہے اور وہ حروف مقطعات جو نہ مفرد ہوں اور نہ مفرد کے ہم وزن ہوں ان کا اعراب محض حکایتی آئے گا۔۔۔۔۔

سوال::: اگر حروف مقطعات کو ان کے معانی پہ باقی رکھا جائے یعنی ان سے مراد اسماء نہ لیے جائے اور ان سے پہلے """المؤلف من ھذہ الحروف """کو مقدر مانا جائے تو اعراب کی کتنی اور کون سی صورتیں ہوں گی؟؟؟

جواب::: اس صورت میں بھی ان پہ تینوں اعراب آسکتے ہیں،، رفع آنے کی صورت میں ان کو مبتداء یا خبر بنا دیا جائے گا اور ان کو مقسم بہا بنانے کی صورت میں ان پہ نصب اور جر آسکتی ہے ((یہ منصوب اس صورت میں ہوں گے جب ان سے پہلے فعل قسم

کو محذوف مانا جائے گا اور یہ اس کے مفعول بنیں گے،، مجرور اس صورت میں ہوں گے جب ان سے پہلے حرف قسم کو محذوف مانا جائے گا))۔۔۔۔۔

سوال::: اگر حروف مقطعات کو کلمات کا مخفف یا حروف تنبیہ کے طور پر تسلیم کیا جائے تو ان کا کیا اعراب ہو گا؟؟؟

جواب::: اس صورت میں ان کے اعراب کا کوئی محل نہیں ہو گا اور ان پہ وقف تام ہو گا۔۔۔۔

((بیان الخلاف فی کون الحروف المقطعۃ آیۃ مستقلۃ أولا))

سوال::: کیا حروف مقطعات ایک علیحدہ مستقل آیت شمار ہوں گے یا نہیں؟؟؟

جواب::: غیر کوفی علماء کے نزدیک یہ ایک مستقل آیت شمار نہیں ہوں گے،، جبکہ کوفی علماء فرماتے ہیں کہ """الم، المص، کھیعص، طہ، طسم، یس، حم، """ایک علیحدہ مستقل آیت ہیں اور """حم عسق """ یہ دو آیات ہیں۔۔۔۔

ان کے علاوہ بقیہ حروف مقطعات مثلا """الر، طس، ص، ق، ن وغیرہ """ان کو کوفی علماء بھی آیت شمار نہیں کرتے۔۔۔۔

((بیان تحدید المشار الیہ مع توجیہ الاشارۃ بصیغۃ البعید والمذکر))

سوال::: """ذلک الکتاب """میں اسم اشارہ کا مشار الیہ کون سا ہے؟؟؟

جواب::: اگر """الم """ سے مراد """مؤلف من ھذہ الحروف """ ہو یا اس سے مراد سورت یا قرآن ہو تب یہ ((یعنی """الم """))مشار الیہ ہو گا۔۔۔۔

سوال::: مشار الیہ قریب ہونے کے باوجود اسم اشارہ بعید کیوں لایا گیا؟؟؟

جواب::: اسم اشارہ بعید اس لیے لایا گیا کیونکہ جب کلام کیا تو وہ گزر گیا اور بمنزلہ بعید ہو گیا لہذا اسم اشارہ بعید استعمال ہوا،، یا کلام جب مرسل ((یعنی اللہ پاک)) سے مرسل الیہ ((نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)) کی طرف نازل ہوا تو بمنزلہ بعید ہو گیا پس اسی وجہ سے اسم اشارہ بعید استعمال کیا گیا۔۔۔۔۔

سوال::: یہاں اسم اشارہ مذکر کیوں لایا گیا؟؟؟

جواب::: جب """الم """ سے مراد سورت ہو گی تو اسم اشارہ مذکر لانے کی وجہ یہ ہو گی کہ اس کے بعد """الکتاب """ مذکور ہے اور یہ اس کی خبر یا صفت بنے گی جس کی بناء پہ آسم اشارہ مذکر لایا گیا،، یا اسم اشارہ کا مشار الیہ """الکتاب """ ہو گا اور اس صورت میں الکتاب کو اسم اشارہ کی صفت بنایا جائے گا جس کی وجہ سے اسم اشارہ مذکر ہے،، اور یہاں کتاب سے مراد وہ کتاب ہو گی جس کے نازل کرنے کا وعدہ سورۃ المزمل یا پچھلی آسمانی کتب میں کیا گیا ہے۔۔۔۔۔۔

سوال::: لفظ """کتاب """ کی تحقیق کریں۔۔۔۔

جواب::: کتاب مصدر ہے اور مبالغہ کے لیے اسم مفعول کے معنی میں استعمال ہوا ہے،، یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ """فعال""" ((بکسر الفاء)) کے وزن پہ ہے اور مفعول کے معنی میں ہے جیسا کہ لباس ملبوس کے معنی میں ہوتا ہے،، پھر اس کا اطلاق ایسی منظوم عبارت پہ کیا گیا ہے جسے لکھنے سے پہلے منظوم کیا جاتا ہے۔۔۔۔

کتاب کا لغوی معنی ہے """جمع کرنا""" اسی لیے وہ لشکر جس میں کئی لشکر جمع ہوں اسے کتیبہ کہا جاتا ہے۔۔۔۔۔

((بیان المراد من نفی الریب عن القرآن))

سوال::: """لاریب فیہ """کا مطلب ہے کہ اس کتاب میں شک کی کوئی گنجائش نہیں،، قرآن کے بارے میں یہ کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے جبکہ کثیر لوگ اس میں شک کرتے ہیں؟؟؟

اس قول کا مطلب یہ بلکل بھی نہیں ہے کہ کوئی بھی شخص اس میں شک نہیں کرتا بلکہ اس کا مطلب ہے کہ قرآن کریم اپنی وضاحت اور روشن دلائل کی وجہ سے اس اعلیٰ مقام پہ فائز ہے کہ کوئی شخص اس میں غور و فکر کرنے کے بعد شک میں مبتلا نہیں رہے گا۔۔۔۔

اللہ پاک نے عربوں کو چیلنج کیا کہ اس جیسی کوئی ایک سورت لے آؤ لیکن وہ نہ لا سکے تو ان کے لیے یہ بات واضح ہو گئی کہ اس کتاب میں واقعی کوئی شک نہیں بلکہ یہ اللہ پاک کی طرف سے نازل کیا گیا سچا کلام ہے۔۔۔۔۔

دوسرا قول یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ متقین کو اس کتاب میں شک نہیں۔۔۔۔۔

سوال::: """ھدی للمتقین """میں """ھدی""" کی ترکیب نحوی بیان کریں۔۔۔۔

جواب::: ھدی ضمیر مجرور متصل سے حال بن رہا ہے۔۔۔۔۔

سوال::: لفظ """ریب """کی تحقیق بیان کریں۔۔۔۔

جواب::: """ریب """اصل میں مصدر ہے،، جب کسی کو کوئی چیز حیرت میں ڈال دے تو وہ کہتا ہے """رابنی الشئ """کہ اس نے مجھے حیرت میں ڈال دیا ہے،، ریب کا مطلب ہے """نفس کا مضطرب ہونا، بے چین ہونا """اور اسے شک اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ شک بھی انسان کو پریشان کر دیتا ہے اور اس کا اطمینان ختم کر دیتا ہے۔۔۔۔۔۔

((بیان معنی الھدایہ، ووجہ اختصاصہ بالمتقین))

سوال::: قرآن کریم متقیوں کو کس چیز کی طرف رہنمائی کرتا ہے؟؟؟

جواب::: یہ متقین کی حق کی جانب رہنمائی کرتا ہے۔۔۔۔۔۔

سوال::: """ھدی """اصل میں کیا ہے اور اس کا معنی کیا ہے؟؟؟

جواب::: یہ اصل میں مصدر ہے،، اس کا معنی ہے رہنمائی کرنا یا مطلوب تک پہنچانا اور اس کا یہ معنی اس لیے کیا گیا ہے کیونکہ یہ قرآن کریم میں """ضلال """کے مقابلے میں استعمال ہوا ہے چنانچہ اللہ پاک کا فرمان ہے

ترجمہ کنزالعرفان::: اور بیشک ہم یا تم (کوئی ایک) ضرور ہدایت پر ہے یا کھلی گمراہی میں۔۔۔۔

اسی وجہ سے جو شخص مطلوب تک پہنچ جائے اسے مہدی کہا جاتا ہے۔۔۔۔۔

سوال::: قرآن کریم تو ہر اس بندے کے لیے ہدایت ہے جو اس میں غور و فکر کرے چاہے وہ متقی ہو یا غیر متقی،، لیکن اس آیت میں ہدایت کو متقین کے ساتھ خاص کیوں کیا گیا ہے؟؟؟

جواب::: اگرچہ قرآن کریم تمام لوگوں کے لیے ہدایت ہے لیکن یہاں ہدایت کو متقین کے ساتھ اس لیے خاص کیا گیا ہے کیونکہ وہی لوگ اس سے فائدہ اور ہدایت حاصل کرتے ہیں۔۔۔۔۔

ہدایت کو متقین کے ساتھ خاص کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے وہی لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جو اپنی عقل کو گناہوں سے صاف رکھتے ہیں اور اسے آیات و معجزات میں غور و فکر کرنے اور نبوت کے دلائل کو پہچاننے کے لیے استعمال کرتے ہیں کیونکہ قرآن پاک کی مثال ایسے ہے جیسے صحت کے لیے اچھی خوراک،، یعنی جس طرح ایک صحت مند آدمی اچھی غذا سے فائدہ اٹھاتا ہے اسی طرح اچھی اور پاک عقل والا اس کتاب میں غور و خوض کر کے فایدہ اٹھاتا ہے،، اسی بات کی طرف اللہ پاک نے اپنے اس قول میں اشارہ کیا:::

ترجمہ کنزالعرفان::: اور ہم قرآن میں وہ چیز اتارتے ہیں جو ایمان والوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور اس سے ظالموں کو خسارہ ہی بڑھتا ہے۔۔۔۔۔

سوال::: قرآن کریم مکمل ہدایت کیسے ہو سکتا ہے؟؟ حالانکہ اس میں مجمل اور متشابہ آیات بھی موجود ہیں۔۔۔۔

جواب::: قرآن کریم کے اندر مجمل و متشابہ آیات کا ہونا اس کے ہدایت ہونے میں خلل نہیں ڈالتا کیونکہ ان کی مراد بھی معلوم ہوتی ہے۔۔۔۔۔۔

((بیان معنی التقوی و مراتبہ))

سوال::: متقی کون سا صیغہ ہے؟؟؟ نیز اس کا کیا مطلب ہے؟؟؟

جواب::: یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے،، وقایہ کا مطلب ہے """((اپنی)) حفاظت میں مبالغہ کرنا""،، شریعت میں متقی اس کو کہتے ہیں جو اپنے آپ کو ان چیزوں سے بچائے جو اسے آخرت میں نقصان دیں گی۔۔۔۔۔

سوال::: متقی کے کتنے اور کون سے مراتب ہیں؟؟؟

جواب::: متقی کے تین مراتب ہیں:::

(1) شرک سے توبہ کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے عذاب سے بچ جانا،، تقوے کے اسی مرتبے کے بارے میں اللہ پاک نے فرمایا"""

ترجمہ::: اور اس نے پرہیزگاری کا کلمہ ان پہ لازم کر دیا۔۔۔۔۔

(2)ہر وہ کام جس کی وجہ سے انسان گناہگار ہو اس سے بچنا مثلا::: شراب پینا، نماز چھوڑنا وغیرہ،، شریعت کی اصطلاح میں تقوے کا یہی معنی ہے۔۔۔

اسی کے بارے میں فرمان باری تعالی ہے:::

ترجمہ کنزالعرفان::: اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ضرور ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے۔۔۔

(3) تقوے کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو ہر اس کام سے بچائے جو اسے اللہ کے ذکر سے روک دے اور یہی تقوی حقیقی اور مطلوب ہے،، اس کے بارے میں ارشاد الہی ہے:::

ترجمہ کنزالعرفان::: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے۔۔۔۔

((بیان وجوہ اعراب مجموع الآیۃ))

سوال::: """الم ذلک الکتاب""" کی نحوی ترکیب کریں۔۔۔

جواب::: اس کی مصنف نے دو تراکیب کی ہیں:::

(1)"""الم""" مبتداء ہے،، """ذلک""" موصوف ہے،، """الکتاب""" صفت ہے،، موصوف صفت مل کر مبتداء کی خبر بنے،، مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔۔۔۔

((اس پہلی ترکیب پہ ایک اعتراض ہوتا ہے کہ خبر کا مبتداء پہ حمل ہوتا ہے اور مبتداء کا خاص یا خبر کے برابر ہونا ضروری ہے تاکہ حمل درست ہو سکے،، یہاں """الم""" عام ہے جبکہ """ذلک الکتاب""" خاص ہے،، تو خاص کا عام پہ حمل نہیں ہو سکتا،، اس کا جواب یہ ہے کہ """الم""" سے مراد عام کلام نہیں بلکہ وہ کامل کلام ہے جو اپنی فصاحت و بلاغت کی انتہاء تک پہنچا ہوا ہے لہذا یہ بھی خاص ہے،، پس خبر کا مبتداء پہ حمل کرنا درست ہو گا))۔۔۔۔۔

(2)"""الم""" مبتداء محذوف کی خبر اول ہے،، """ذلک الکتاب""" موصوف صفت مل کر مبتداء کی خبر ثانی بنے گا یا """الم""" سے بدل ہو گا۔۔۔۔۔

سوال::: """لاریب فیہ""" کی ترکیب کریں۔۔۔

جواب::: اس کی تراکیب درج ذیل ہیں:::

(1)"""ریب""" لائے نفی جنس کا اسم ہے اور منصوب ہے،، """فیہ""" اس کی خبر ہے۔۔۔۔

(2)ابو شعثاء کی قرأت میں """ریب""" مرفوع ہے،، اس صورت میں یہ """لامشابہ بلیس""" کا اسم بنے گا اور """فیہ""" اس کی خبر ہے۔۔۔۔۔

سوال::: خبر اگر ظرف یا جار مجرور ہو تو اسے مقدم کرنا واجب ہوتا ہے،، یہاں """لاریب فیہ """میں خبر جو مقدم کیوں نہیں کیا گیا؟؟؟

جواب::: اگر """فیہ """کو مقدم کیا جاتا ہے ترجمہ یوں بننا تھا """اسی کتاب میں کوئی شک نہیں """اس سے یہ مطلب سمجھ میں آنا تھا کہ صرف قرآن میں کوئی شک نہیں جبکہ بقیہ آسمانی کتابوں میں شک ہے چنانچہ بقیہ آسمانی کتب کو شک سے بچانے سے کے لیے خبر کو مؤخر کیا گیا ہے۔۔۔۔۔۔

((بیان تناسق الجمل الاربعۃ))

سوال::: مصنف کے نزدیک """الم ذلک الکتاب لاریب فیہ ھدی للمتقین """کی بہترین ترکیب کیا ہے؟؟؟

جواب::: مصنف فرماتے ہیں کہ زیادہ بہتر یہی ہے کہ ان کو چار الگ الگ جملے بنا لیا جائے (1)الم (2)ذلک الکتاب (3)لا ریب فیہ (4)ھدی للمتقین۔۔۔۔۔

سوال::: ان چاروں جملوں کے درمیان حرف عطف کیوں داخل نہیں ہوا؟؟؟

جواب::: چونکہ ان جملوں کا آپس میں گہرا تعلق ہے اسی وجہ سے حرف عطف داخل نہیں ہوا۔۔۔

گہرا تعلق اس طرح ہے کہ """الم """پہلا جملہ ہے جو اس بات پہ دلالت کرتا ہے کہ جس کلام کے ذریعے عربوں کا چیلنج کیا گیا ہے وہ کلام انہی الفاظ سے مرکب ہے جن کے ذریعے وہ خود کلام کرتے ہیں،، """ذلک الکتاب """دوسرا جملہ ہے اور یہ اس چیلنج کو مزید پختہ کرتا ہے کہ یہ کتاب یعنی """قرآن کریم """فصاحت و بلاغت کے کمال درجے تک پہنچی ہوئی ہے،، """لاریب فیہ """ تیسرا جملہ ہے اور اس نے قرآن سے شک کی نفی کر کے اس چیلنج کو مزید پختہ کر دیا ہے،، """ھدی للمتقین """چوتھا جملہ ہے اور اس نے آکر بتایا ہے کہ قرآن مجید میں شک تو دور کی بات شک اس کے قریب سے بھی نہیں گزرا اسی وجہ سے یہ متقین کے لیے ہدایت ہے۔۔۔

یا ان چاروں میں سے ہر جملہ اپنے پیچھے والے جملے کی اس طرح وضاحت کرتا ہے جیسے دلیل مدلول کی،، اس کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ جب اللہ پاک نے """الم """کے ذریعے اس بات سے آگاہ کیا کہ کفار اس کلام جیسا کلام لانے سے عاجز ہیں حالانکہ یہ بھی ان کے کلام کی جنس میں سے ہے تو ((ذلک الکتاب کے ذریعے))ثابت ہوا کہ قرآن کریم فصاحت و بلاغت میں کمال درجے پہ پہنچی ہوئی ہے اور ((لاریب فیہ سے ثابت ہوا کہ))اس کتاب میں کوئی شک نہیں اور جس کتاب کی ایسی صفات ہوں ((یعنی وہ فصیح و بلیغ ہو اور اس میں شک کی گنجائش نہ ہو))تو یہ کتاب ضرور اس قابل ہے کہ وہ متقین کے لیے ہدایت بن سکے۔۔۔۔۔

((بیان النکت البلاغیۃ))

سوال::: ان چاروں جملوں میں پائے جانے والے نکتے بیان کریں۔۔۔

جواب::: ان چاروں میں قوی نکتے پائے جاتے ہیں:::

(1)پہلے جملے میں حذف پایا جارہا ہے اور تعلیل کے باوجود مقصود کی طرف اشارہ ہے((مقصود یہ ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اسی وجہ سے عرب اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز آگئے ہیں))۔۔۔۔

(2)دوسرے جملے میں مسند اور مسند الیہ دونوں معرفہ ہیں اور دونوں کو معرفہ لاکر حصر پیدا کیا کہ یہی کتاب """کامل کتاب""" کہلانے کے لائق ہے۔۔۔

(3)تیسرے جملے میں خبر کو مقدم نہیں کیا تاکہ دوسری آسمانی کتب کے بارے میں شک پیدا نہ ہو۔۔۔۔

(4)چوتھے میں حذف پایا گیا ہے اور مبالغہ کے لیے مصدر کے ساتھ وصف بیان کیا گیا ہے((جس طرح مبالغہ کے لیے کہا جاتا ہے کہ """زید عدل""" زید سراپا عدل ہے اسی طرح یہاں بھی """ھدی""" بیان کرکے یہ مراد لیا گیا ہے کہ قرآن سراپا ہدایت ہے))اور """ھدی""" کو تعظیم کے لیے نکرہ لایا گیا ہے،،آخری درجہ کا اعتبار کرتے ہوئے ہدایت کو متقین کے ساتھ خاص کیا گیا ہے کہ متقین کا آخری درجہ تقوی ہی ہے اس لیے وہ اس کی ہدایت سے نفع حاصل کرتے ہیں۔۔۔اس کے علاوہ اس جملہ میں تقوی کی راہ پہ چلنے والوں کی شان بیان کرنے کے لیے انہیں """متقین""" کہا گیا ہے۔۔۔۔

((بیان مناسبۃ الآیۃ لما قبلھا))

سوال::: آیت """الذین یؤمنون بالغیب""" کا ما قبل آیت سے کیا تعلق ہے؟؟؟

جواب::: اس آیت کا ما قبل جملے """للمتقین""" کے ساتھ تعلق ہو گا یا نہیں ہو گا،،اگر ہو گا تو اس کے اعراب کی تین صورتیں ہیں:::

(1)"""الذین یؤمنون""" مجرور ہو گا کیونکہ یہ پچھلے لفظ """للمتقین""" کی صفت بن رہا ہے۔۔۔

اگر تقوی کی تفسیر غیر مناسب چیز کو چھوڑنے کے ساتھ کی جائے تو اس وقت یہ """صفت مقیدہ""" بنے گا،،اگر تقوی کی تفسیر نیکی اختیار کرنے اور برائی کو چھوڑنے کے ساتھ کی جائے تو اس صورت میں یہ جملہ """صفت موضحہ""" بنے گا کیونکہ """الذین یؤمنون""" ان تمام چیزوں کو شامل ہے جو اعمال کی اصل اور بنیاد ہیں یا یہ جملہ """متقین""" کے لیے صفت مادحہ ہو گا کیونکہ یہ ان صفات کو بیان کر رہا ہے جو متقین اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہیں۔۔۔۔

(2)یہ جملہ """الذین یؤمنون بالغیب""" مدح کی بناء پہ منصوب ہو گا اور اس صورت میں اس سے پیچھے """أمدح""" فعل کو مقدر ماننا پڑے گا۔۔۔۔

(3)یہ جملہ خبر ہونے کی بناء پہ مرفوع ہو گا اور اس صورت میں اس سے پیچھے مبتداء محذوف """ھم""" نکالنا پڑے گا۔۔۔۔

اگر اس جملے کا ما قبل آیت سے کوئی اعرابی تعلق نہیں ہو گا تو اس وقت """الذین یؤمنون""" مبتداء بنے گا اور """اولئک علی ھدی""" اس وقت خبر بنے گی،،نیز اس صورت میں """متقین""" پہ وقت تام ہو گا((کیونکہ اس کا ما بعد سے کوئی تعلق نہیں ہو گا))۔۔۔۔۔۔

سوال::: متقین میں مزید بھی اوصاف ہیں لیکن صرف ایمان بالغیب، نماز ادا کرنا اور زکوۃ دینے کو ذکر کیوں کیا گیا؟؟؟

جواب::: کیونکہ ان تینوں اوصاف کی فضیلت بقیہ اوصاف سے زیادہ ہے لہذا ان کی فضیلت ظاہر کرنے کے لیے انہیں ذکر کر دیا گیا۔۔۔۔۔۔

((بیان معنی الایمان لغۃ واصطلاحا))

سوال::: """ایمان""" کا لغوی اور اصطلاحی مطلب بیان کریں۔۔۔۔

جواب::: لغوی معنی::: ایمان کے دو لغوی معنی بیان کیے گئے ہیں:::

(1) ایمان """أمن""" سے ماخوذ ہے اور اس کا مطلب ہے """تصدیق کرنا""" گویا کہ تصدیق کرنے والا جس کی تصدیق کر رہا ہے اسے تکذیب اور مخالفت سے امن دے رہا ہے((یعنی محفوظ کر رہا ہے))،، اگرچہ لفظ ایمان بھی اپنے اندر اعتراف کا معنی لیے ہوئے ہیں لیکن اس کو """باء""" کے ساتھ متعدی کرنے میں بھی اعتراف کا معنی پایا جا رہا ہے۔۔۔۔۔

(2) کبھی کبھی ایمان کا اطلاق وثوق اور اعتماد کرنے بھی ہوتا ہے کیونکہ اعتماد کرنے والا بے خوف ہو جاتا ہے۔۔۔۔

یہ دونوں معانی درست ہیں۔۔۔۔

اصطلاحی معنی::: ہر اس چیز کی تصدیق کرنا جس کا ضروری طور پر علم ہو جائے کہ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین میں سے ہے مثلا::: توحید، نبوت، بعثت اور جزاء وغیرہ کی تصدیق کرنا۔۔۔۔۔

سوال:: محدثین، خوارج اور معتزلہ کے نزدیک ایمان کتنے اور کون سے امور کے مجموعے کا نام ہے؟؟؟

جواب::: ان سب کے نزدیک ایمان تین امور کے مجموعے کا نام ہے:::

(1) حق کا اعتقاد رکھنا

(2) اس کا اقرار کرنا

(3) اس کے تقاضوں پہ عمل کرنا

اب اگر کوئی شخص حق کے عقیدے میں خرابی پیدا کرے تو وہ تینوں جماعتوں((جمہور محدثین، خوارج اور معتزلہ)) کے نزدیک منافق ہے،، جس نے زبان کے ساتھ اقرار نہیں کیا وہ سب کے نزدیک کافر ہو گا اور جس نے اس کے تقاضوں پہ عمل نہیں کیا وہ بالاتفاق سب کے نزدیک فاسق ہو گا لیکن محدثین کے ہاں فاسق رہتے ہوئے مومن کہلائے گا جبکہ خوارج کے نزدیک کافر ہو گا اور معتزلہ کے نزدیک ایمان سے خارج ہو گا کافر قرار نہیں دیا جائے گا((بلکہ ایمان اور کفر کے درمیان کے درجے میں ہو گا))۔۔۔۔۔۔

سوال::: جمہور کے ہاں فاسق شخص کافر کیوں نہیں ہو گا؟؟؟

جواب::: کیونکہ عمل کو ایمان کی حقیقت میں دخل نہیں ہے،، ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:::

ترجمہ::: اوراس کادل ایمان سے مطمئن ہے۔۔۔۔

قرآن کریم میں جگہ جگہ عمل کاایمان پہ عطف کیاگیاہے((یعنی الذین آمنواو عملواالصالحات))جس سے ثابت ہوتا عمل اورایمان دوالگ الگ چیزیں ہیں کیونکہ معطوف معطوف علیہ کامتغائر ہوتاہے۔۔۔۔

قتل کرناحرام ہے لیکن اس کے باوجود اللہ نے ان کو مومن کہاہے""وان طائفتان من المومنین اقتتلوا""،،پس ان تمام دلائل سے ثابت ہواکہ ایمان دل کی تصدیق کانام ہے عمل کو چھوڑنے سے وہ کافر نہیں ہو جائے گا،،آیت کاظاہر بھی اس پہ دلالت کررہا ہے کیونکہ ایمان کو""باء"" کے ساتھ متعدی کرنے کی وجہ سے اس میں اعتراف کامعنی مزید پختہ ہورہاہے۔۔۔۔۔۔

سوال::: کیانجات کے لیے محض قلبی تصدیق کافی ہے یااقرارکا بھی ہوناضروری ہے؟؟؟

جواب::: ایک گروہ کاکہناہے کہ نجات کے لیے محض قلبی تصدیق کافی ہے کیونکہ یہی مقصود ہے اقرارکاہوناضروری نہیں،، جبکہ دوسرے گروہ کاکہناہے کہ قلبی تصدیق کے ساتھ ساتھ اقرارکاہونا بھی ضروری ہے کیونکہ اللہ عزوجل نے اس شخص کی مذمّت بیان کی ہے جو حق کو جانتاہے لیکن اس کااعتراف نہیں کرتا،،ان کی اس دلیل کارد مخالفین یوں کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے جن لوگوں کومذمت کی ہے وہ ان کے انکار کی وجہ سے ہے نہ کہ عدم اقرار کی وجہ سے۔۔۔۔۔

((بیان معنی الغیب))

سوال::: لفظ""غیب""کی تحقیق کریں۔۔۔

جواب::: غیب مصدر ہے جس کامطلب ہے پوشیدہ،،عرب لوگ پست زمین کو غیب کانام دیتے ہیں کیونکہ وہ نگاہوں سے پوشیدہ ہوتی ہے اوراسی طرح وہ سوراخ جو گردوں سے متصل ہواسے بھی غیب کانام دیتے ہیں۔۔۔۔

لفظ غیب کے بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ یہ صفت مشبہ کاصیغہ ہے۔۔۔۔۔

سوال::: غیب سے کیامرادہے؟؟؟

جواب::: غیب سے مرادوہ اشیاء ہیں جن کاحواس ادراک نہیں کرسکتے اورنہ ہی عقل ان کاتقاضاکرتی ہے۔۔۔۔

سوال::: غیب کی کتنی اور کون سی اقسام ہیں؟؟؟

جواب::: غیب کی دواقسام ہیں:::

(1)وہ غیب جس پہ کوئی دلیل نہ ہو،،اللہ پاک کے قول""وعندہ مفاتیح الغیب""سے یہی مرادہے۔۔۔۔

(2)وہ غیب جس پہ کوئی دلیل ہو مثلا:::اللہ پاک کاوجود،اس کی صفات،آخرت کادن وغیرہ یہ سب چیزیں غیب توہیں لیکن ان پہ دلیل موجودہے۔۔۔۔اس آیت سے یہی دوسری قسم والاغیب مرادہے اوریہ معنی تب ہوگا اگر""باء""کویؤمنون کاصلہ مانا جائے اور""بالغیب""یؤمنون کو مفعول بنادیاجائے۔۔۔۔

اگر بالغیب سے پہلے """ متلبسین """ محذوف نکال کر اسے یؤمنون کے فاعل سے حال بنادیا جائے تو معنی یہ ہوں گے """ وہ ((جس طرح تمہاری موجودگی میں ایمان رکھتے ہیں اسی طرح)) تمہاری غیر موجودگی میں بھی ایمان رکھتے ہیں اور منافقین کی طرح نہیں ہیں۔۔۔۔۔

سوال::: اس آیت میں مغیب عنہ کون ہیں؟؟؟

جواب::: مغیب عنہ یا تو صحابہ ہیں یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم،، اگر مغیب عنہ صحابہ ہیں تو معنی یہ ہوگا کہ وہ صحابہ کے درمیان رہ کر بھی مومن ہیں اور صحابہ کی غیر موجودگی میں بھی لیکن اگر مغیب عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مانا جائے تو معنی یہ ہوگا وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں بھی ایمان والے ہیں اور ان کی غیر موجودگی میں بھی،، اس پہ حدیث مبارک دلالت کرتی ہے """ اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں اس شخص کے ایمان سے کسی کا ایمان افضل نہیں جو غیب پہ ایمان لایا """۔۔۔۔۔۔

سوال::: اگر غیب سے مراد دل لیا جائے تو کیا مطلب ہوگا؟؟؟

جواب::: اگر غیب سے مراد دل لیا جائے تو معنی یہ ہوگا """ وہ اپنے دلوں کے ساتھ ایمان لاتے ہیں اور ان لوگوں کی طرح نہیں ہیں جو اپنے مونہوں سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہوتی """۔۔۔۔۔۔

((بیان معانی """ یقیمون """))

سوال::: """ یقیمون """ کے معانی بیان کریں۔۔۔۔۔

جواب::: اس کے مصنف نے چار معانی بیان کیے ہیں:::

(1) وہ نماز کے ارکان کو بلکل ٹھیک طریقے سے ادا کرتے ہیں اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں برتتے،، اس صورت میں یہ """ أقام العود """ سے ماخوذ ہوگا جب کوئی شخص ٹیڑھی لکڑی کو سیدھا کرے تو عرب یوں کہتے ہیں۔۔۔۔۔

(2) دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ نماز پہ ہمیشگی اختیار کرتے ہیں،، اس صورت میں یہ """ قامت السوق """ سے ماخوذ ہوگا،، یہ بات تب کہی جاتی ہے جب بازار بارونق ہو جائے ((یعنی جس طرح بازار بارونق ہوگا تو اس میں خرید و فروخت ہوگی اسی طرح نماز پہ ہمیشگی اختیار کی جائے تو اس کی طرف رغبت ہوگی))۔۔۔۔۔

(3) تیسرا معنی یہ ہے کہ وہ کوشش کرتے ہیں نماز بغیر سستی اور کاہلی کے ادا ہو،، اس صورت میں یہ """ قام بالامر """ سے ماخوذ ہوگا اور یہ بات تب کہی جاتی ہے جب کسی کام کو پوری کوشش کے ساتھ کیا جائے۔۔۔۔۔۔۔

(4) چوتھا معنی یہ ہے کہ وہ نماز ادا کرتے ہیں،، چونکہ نماز میں قیام وغیرہ پایا جاتا ہے اس لیے اداء کو اقامت سے بیان کیا۔۔۔۔۔۔

((القول الراجح))

سوال::: یقیمون کے مذکورہ بالا چار معانی میں سے کون سا معنی زیادہ راجح ہے؟؟؟

جواب::: پہلا معنی زیادہ راجح ہے یعنی وہ نماز ادا کرتے وقت تعدیل ارکان کا لحاظ کرتے ہیں،، یہ معنی زیادہ راجح اور مشہور ہے،، حقیقت کے زیادہ قریب ہے اور اسی میں زیادہ فائدہ ہے۔۔۔ حقیقت میں مدح کے لائق وہی شخص ہوتے ہیں جو نماز کے ارکان کا لحاظ کریں اور اس کو اچھی طرح سے ادا کریں۔۔۔۔

اسی لیے جہاں اللہ عزوجل نے نمازیوں کی تعریف کی ہے تو یوں بیان کیا ہے """المقیمین الصلاۃ""" اور جہاں نمازیوں کی مذمت بیان کی ہے وہاں اقامت کا تذکرہ نہیں کیا بلکہ محض یوں فرمایا ہے """فویل للمصلین""" ۔۔۔۔۔

((تحقیق کلمۃ """الصلاۃ"""))

سوال::: لفظ """صلاۃ""" کی لغوی تحقیق کریں۔۔۔

جواب::: لفظ """صلاۃ""" کی اصل کے بارے میں دو اقوال ہیں:::

(1) یہ """صلوۃ""" سے مشتق ہے اور """فعلۃ""" کے وزن پہ ہے پھر واؤ کو الف سے بدل دیا گیا جس طرح زکوۃ سے زکاۃ بن گیا۔۔۔

صلوۃ کا مطلب ہے """دعا کرنا""" اس لیے دعا پہ مشتمل ہونے کی وجہ سے ارکان مخصوصہ کو """صلاۃ""" کہا جاتا ہے۔۔۔۔

(2) دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اصل میں """صلی""" تھا جس کا مطلب ہے سرین کو حرکت دینا،، چونکہ نمازی رکوع و سجود میں سرین کو حرکت دیتا ہے اس لیے اسے صلاۃ کہتے ہیں۔۔۔

سوال::: کیا دعا کرنے والے کو """مصلی""" کہا جا سکتا ہے؟؟؟

جواب::: جی ہاں،، جس طرح نمازی رکوع و سجود میں اپنی عاجزی کا اظہار کرتا ہے اسی طرح داعی بھی اپنی عاجزی کا اظہار کرتا ہے،، پس تشبیہ کے طور پر داعی کو مصلی کہا جا سکتا ہے۔۔۔۔۔

((تحقیق کلمۃ """الرزق"""))

سوال::: زق کا لغوی اور عرفی معنی بیان کریں۔۔۔۔

جواب::: رزق کا لغوی معنی ہے """حصہ""" جیسا کہ اللہ پاک کا فرمان ہے:::

ترجمہ::: اور تم اپنا حصہ یہ بناتے ہو کہ تم جھٹلاتے رہو۔۔۔۔

عرف میں کسی چیز کو کسی حیوان کے ساتھ خاص کر دینا اور حیوان کو اس سے نفع حاصل کرنے کی قدرت دینا رزق کہلاتا ہے۔۔۔۔۔

سوال::: جو چیز شرعاً حرام ہو کیا اسے رزق کہا جا سکتا ہے؟؟؟

جواب::: معتزلہ کے نزدیک شرعاً حرام چیز کو رزق نہیں کہا جائے گا جبکہ اہلسنت کے نزدیک حرام چیز کو رزق کہا جا سکتا ہے۔۔۔ معتزلہ کے تین دلائل درج ذیل ہیں:::

(1) کسی قبیح فعل پہ قدرت دینا بھی ایک قبیح عمل ہے جبکہ اللہ پاک کے لیے قبیح فعل کرنا محال ہے کیونکہ اس نے خود اس سے منع فرمایا ہے،، اگر حرام چیز کو رزق مانیں گے تو ذات باری تعالیٰ کا قبیح فعل کرنا لازم آئے گا۔۔۔۔۔۔

(2) اللہ پاک نے اس آیت میں رزق کی نسبت اپنی طرف کی """رزقنا""،، اگر حرام چیز کو رزق مانا جائے تو پھر اس سے یہ لازم آئے گا کہ اللہ عزوجل نے حرام چیز کی نسبت اپنی طرف کی حالانکہ یہ ایک بہت بڑی گستاخی ہے۔۔۔۔۔۔

(3) اللہ عزوجل نے رزق خرچ کرنے پہ مومنوں کی تعریف فرمائی،، اگر حرام چیز کو رزق کہا جا سکتا ہے تو پھر حرام چیز کو خرچ کرنے سے پہ تعریف بھی کرنی چاہیے جبکہ ایسا نہیں ہوتا،، اور اللہ عزوجل نے کفار کی اس وجہ سے مذمت کی کہ انہوں نے اللہ کے حلال رزق کو حرام کر لیا۔۔۔۔

پس ان تین دلائل سے یہ ثابت ہوا کہ رزق صرف حلال چیز کو ہی کہیں گے حرام چیز کو رزق نہیں کہا جا سکتا۔۔۔۔۔

اہلسنت کی جانب سے معتزلہ کے دلائل کا رد::: معتزلہ کی ایک دلیل یہ تھی کہ عرف میں رزق کہتے ہیں حیوان کو اس کے استعمال پہ قدرت دینا،، پس جب اللہ نے """رزقنا""" کہہ کر اپنی طرف رزق دینے کی نسبت کی تو ثابت ہوا یہاں سے حلال مراد ہے کیونکہ اللہ حرام پہ قدرت نہیں دے سکتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے رزق کی نسبت اپنی طرف اس لیے کی تاکہ رزق کی عظمت بیان کرے اور لوگ اس کی قدر کریں۔۔۔۔

ایک دلیل یہ تھی کہ اللہ نے کفار کی اس وجہ سے مذمت بیان کی کیونکہ انہوں نے رزق کو حرام کیا تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ کفار کی مذمت اس لیے بیان کی گئی ہے کیونکہ انہوں نے اپنی عقل سے اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔۔۔۔

ایک دلیل یہ تھی کہ یہاں اللہ نے رزق خرچ کرنے والوں کی تعریف کی ہے تو ظاہر ہوا رزق حلال چیز کو ہی کہتے ہیں کیونکہ اللہ عزوجل حرام چیز کو خرچ کرنے پہ تعریف نہیں فرماتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس تعریف سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ رزق محض حلال چیز کو ہی کہتے ہیں بلکہ یہاں سے مراد ہی حلال رزق ہے کیونکہ اس پہ قرینہ پایا جا رہا ہے اور قرینہ یہ ہے کہ یہ آیت محل مدح میں واقع ہوئی ہے۔۔۔۔۔

اہلسنت کے دلائل::: اہلسنت کے دو دلائل ہیں:::

(1) عمرو بن قرۃ دف لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں آیا اور کہنے لگا کہ اللہ نے میرا رزق دف بجانے میں رکھا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا """اللہ نے تمہیں حلال رزق دیا لیکن تم نے حلال کو چھوڑ کر حرام کو اختیار کیا جو کہ تجھ پہ حرام تھا۔۔۔۔

اس سے ثابت ہوا کہ رزق حرام بھی ہوتا ہے۔۔۔۔۔

(2)اللہ پاک کا فرمان ہے """ وما من دآبۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا """((یعنی زمین پہ چلنے والے ہر جاندار کا رزق اللہ کے ذمہ ہے))پس وہ شخص جس نے ساری عمر حرام کھایا ہو کیا ہم اسے مرزوق نہیں کہیں گے ؟؟؟ بلکل کہیں گے کیونکہ ہر بندے کے رزق کا ذمہ اللہ نے لیا ہے اب بندے کی مرضی وہ حلال کو اختیار کرتا ہے یا حرام کو۔۔۔۔۔۔

((تحقیق کلمۃ الانفاق))

سوال::: أنفق اور أنفد میں کس طرح اخوان بن رہے ہیں؟؟؟

جواب::: کیونکہ دونوں کے الفاظ تقریباً مشترک ہیں اور دونوں کا معنی بھی تقریباً ملتا جلتا ہے،،انفاق کہتے ہیں """مال خرچ کرنا""" ،،انفاد کہتے ہیں """مال ختم کرنا، فنا کرنا وغیرہ """ پس یوں دونوں کے درمیان مناسبت پائی جارہی ہے اس لیے دونوں ایک دوسرے کے بھائی ہوئے۔۔۔۔۔

کوئی بھی لفظ جس کا """ فاء کلمہ """ اور """ عین کلمہ """ انفاق جیسا ہوگا((یعنی اگر فاء کلمہ """ نون """ ہوگا اور عین کلمہ """ ف """ ہوگا))تو اس میں خروج اور ذھاب کا معنی پایا جائے گا((مثلا::: نفر))۔۔۔۔۔۔۔

سوال::: اس آیت میں """ انفاق """ سے کیا مراد ہے؟؟؟

جواب::: اس میں تین احتمالات ہیں:::

(1)انفاق سے مراد مال کو خیر کے راستے میں خرچ کرنا ہے،، برابر ہے کہ وہ خیر کا راستہ نفل ہو یا فرض۔۔۔۔۔

(2)یہاں انفاق سے مراد زکوۃ دینا ہے،، چونکہ خیر کے راستوں میں سب سے افضل زکوۃ ہے اس لیے زکوۃ کے ذریعے اس قول کی تفسیر کردی یا اس لیے زکوۃ کو تفسیر کے طور پر بیان کیا کیونکہ قرآن میں عام طور پر زکوۃ کا ذکر نماز کے بعد آیا ہے پس اس آیت بھی خرچ کرنے کا ذکر نماز کے بعد آیا ہے تو ہو سکتا ہے یہاں سے زکوۃ مراد ہو۔۔۔۔۔۔

(3)انفاق سے مراد صرف رزق خرچ کرنا نہیں بلکہ یہاں سے مراد تمام نعمتیں ہیں مثلا::: علم وغیرہ اور اس پہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول بھی دلالت کرتا ہے """ علم کے بارے میں یہ نہ کہا جائے کہ یہ ایسا خزانہ ہے جسے خرچ نہیں کیا جاسکتا """۔۔۔۔۔

((فوائد تقدیم المفعول))

سوال::: ینفقون فعل ہے اور """ ممارزقناھم """ اس کا مفعول ہے،، پس مفعول کو مقدم کیوں کیا گیا؟؟؟

جواب::: اس کے دو فوائد ہے:::

(1)اللہ عزوجل نے مومنوں کو جو رزق دیا اس کی اہمیت بیان کرنے کے لیے۔۔۔۔۔۔

(2)آیت کے آخر میں وزن کی محافظت کے لیے۔۔۔۔۔

((بیان الاقوال فی المعطوف علیہ لقولہ """ والذین یؤمنون """))

سوال::: آیت """والذین یؤمنون بما انزل الیک """کا عطف کس پہ ہے؟؟؟

جواب::: اس کے معطوف علیہ کے بارے میں دو اقوال ہیں:::

(1)اس کا عطف """الذین یؤمنون بالغیب """ پہ ہے اور دوسری آیت """والذین یؤمنون بما انزل """ سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو ایمان لائے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان جیسے لوگ،، پہلی آیت """الذین یؤمنون بالغیب """ سے مراد وہ لوگ ہیں جو شرک چھوڑ کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔۔۔۔ پھر معطوف اور معطوف علیہ مل کر متقین میں داخل ہوں گے ((یعنی شرک چھوڑ کر غیب پہ ایمان لانے والے اور ایک دین سے دوسرے دین یعنی اسلام کی طرف آنے والے سب متقین میں داخل ہوں گے))

(2)دوسرے قول کے مطابق اس آیت کا عطف """متقین """ پہ ہے اور مطلب یہ بنے گا کہ قرآن ان لوگوں کے لیے ہدایت ہے جو شرک چھوڑ کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور ان لوگوں کے لیے بھی ہدایت ہے جو ایک دین چھوڑ کر دوسرے دین یعنی اسلام کی طرف آئے۔۔۔۔۔

ایک احتمال یہ بھی ہے کہ """والذین یؤمنون بما انزل """ سے وہی لوگ مراد ہیں جو """الذین یؤمنون بالغیب """ سے مراد ہیں۔۔۔۔۔۔

اعتراض::: اگر مذکورہ بالا سوال میں بیان کیے گئے آخری احتمال کو دیکھا جائے کہ دونوں آیات سے ایک ہی طرح کے لوگ مراد ہیں تو پھر ان کے درمیان حرف عطف کیوں لائے؟؟؟ کیونکہ وہ تغایر کے لیے ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔

جواب::: یہاں حرف عطف تغایر بالذات کے لیے نہیں بلکہ تغایر فی الصفات کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔۔۔۔۔۔ معنی یہ ہو گا کہ ایمان بالغیب سے ان اشیاء پہ ایمان مراد جن کا ادراک عقل کرتی ہے اور اس کے بعد وہ چیزیں ذکر کیں جو ایمان بالغیب کی تصدیق کرتی ہیں ((مثلاً نماز پڑھنا، زکوۃ دینا)) یعنی کسی شخص کا یہ عبادات کرنا اس بات کی تصدیق ہے کہ واقعی یہ غیب پہ ایمان لایا ہے اور پھر دوسرے جملے """والذین یؤمنون بما انزل """ سے مراد ان چیزوں کا ایمان ہے جنہیں صرف سن کر پہچانا جا سکتا ہے ((اگرچہ دونوں آیات سے مراد ایک ہی لوگ ہیں لیکن ان کی صفات مختلف ہیں اس لیے ان کے درمیان حرف عطف لایا گیا))

سوال::: اگر ان دونوں جملوں سے مراد ایک ہی قسم کے لوگ ہیں تو پھر ان کے درمیان دو دفعہ اسم موصول کیوں لائے؟؟؟

جواب::: اس کے دو جواب ہیں:::

(1)اسم موصول دو دفعہ اس لیے لائے کیونکہ دونوں کی راہیں مختلف ہیں،، پہلے والوں کی راہ عقل کے ذریعے ایمان لانا جبکہ دوسروں کی راہ سماع کے ذریعے ایمان لانا ہے،، چونکہ ایمان لانے کی راہیں مختلف تھیں اس لیے دو دفعہ اسم موصول ذکر کیا گیا۔۔۔۔

(2)دوسرا جواب یہ ہے کہ جب ایک دفعہ اجمالا ایمان لانے والوں کا تذکرہ کر دیا تو ان میں سے اہل کتاب کو مخصوص کر کے دوبارہ ان کا تذکرہ کیا تا کہ ان کی شان ظاہر ہو جائے جس طرح عموما فرشتوں کا ذکر کر کے حضرت جبرائیل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام کا علیحدہ ذکر کیا جاتا ہے۔۔۔۔۔۔۔

((بیان المراد من قولہ """بما انزل""" و تحقیق کلمۃ """النزول"""))

سوال::: انزال کا کیا مطلب ہے؟؟؟

جواب::: انزال کا مطلب ہے کسی چیز کو اوپر سے نیچے کی طرف منتقل کرنا۔۔۔۔۔

اعتراض::: اوپر سے نیچے کسی ایسی ذات کو منتقل کیا جا سکتا ہے جس کا جسم ہو جبکہ قرآن کریم کا تو جسم نہیں ہے تو پھر اس پہ انزال کا اطلاق کرنا کیسے درست ہو گا؟؟؟

جواب::: ہو سکتا ہے کہ انبیاء پہ کتابوں کا نزول اس طرح ہوتا ہو کہ فرشتہ اللہ عزوجل سے روحانی طور پر اسے لیتا اور انبیاء پہ نازل ہو جاتا، یا لوح محفوظ سے یاد کر کے انبیاء پہ اتار دیتا، پس اس کلام کو اٹھانے والے کے اعتبار سے اس پہ انزال کا اطلاق کر دیا ((کہ اسے اوپر سے نیچے نازل کیا گیا))۔۔۔۔

سوال::: """انزل الیک اور انزل من قبلک""" سے کیا مراد ہے؟؟؟

جواب::: """انزل الیک""" سے مراد قرآن کریم اور اسلامی شریعت ہے جبکہ """انزل من قبلک""" سے مراد تورات، انجیل اور دیگر آسمانی کتب ہیں۔۔۔۔

اعتراض::: آیت """بما انزل الیک""" میں ماضی مجہول کا صیغہ استعمال کیا گیا جس کا مطلب بنے گا کہ جو تمہارے اوپر نازل کر دیا گیا، حالانکہ اس آیت کے نزول کے وقت مکمل قرآن کریم نازل نہیں ہوا تھا پس ماضی کا صیغہ کیوں استعمال کیا گیا؟؟؟

جواب::: چونکہ قرآن کریم کا اترنا یقینی تھا جس طرح ماضی کے کسی واقعے کا ہونا یقینی ہوتا ہے ((کہ واقعی یہ واقعہ ہو چکا ہے بلکل اسی طرح قرآن کے بقیہ حصے کا اترنا بھی یقینی تھا کہ وہ بھی نازل ہو گا))اس لیے ماضی کا صیغہ استعمال کیا گیا جیسا کہ جب جنات نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن سنا تو قوم میں جا کر کہنے لگے """ہم نے ایسی کتاب سنی جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل کی گئی""" حالانکہ انہوں نے پوری کتاب نہیں سنی تھی لیکن بعض کتاب کو پوری کتاب کے قائم مقام قرار دیا۔۔۔۔۔

((حکم الایمان بالقرآن وما انزل من قبلہ))

سوال::: قرآن کریم اور دیگر آسمانی کتابوں پہ ایمان لانے کا کیا حکم ہے؟؟؟

جواب::: قرآن کریم اور دیگر آسمانی کتب پہ اجمالا ایمان لانا فرض ہے ((کہ یہ سب اللہ پاک کی طرف سے نازل کیا گیا ہے)) جبکہ قرآن کریم پہ تفصیلا ایمان لانا ((یعنی اس کے احکامات کو سیکھنا اور ان پہ عمل کرنا وغیرہ))فرض کفایہ ہے اور یہ فرض کفایہ

اس لیے ہے کیونکہ ہر کوئی اسے حاصل نہیں کر سکتا،،اگر تفصیلی ایمان لانا فرض عین قرار دیا جائے تو بہت بڑا حرج لازم آئے گا۔۔۔۔۔۔

((بیان المراد بالایقان))

سوال::: مذکورہ بالا لوگوں کا آخرت پہ کتنا یقین ہے؟؟؟

جواب::: مذکورہ بالا لوگوں کا آخرت پہ اتنا یقین ہے کہ اس کی وجہ سے ان کے باطل عقائد زائل ہو گئے کہ جنت میں صرف یہود و نصاریٰ داخل ہوں گے اور اگر کوئی یہودی یا نصرانی دوزخ میں گیا تو چند دن کے لیے جائے گا اور ان کا جنت کی نعمتوں کے بارے میں اختلاف بھی ختم ہو گیا کہ یہ نعمتیں ابدی ہوں گی یا فنا ہو جائیں گی۔۔۔۔۔

((ا لنکات البلاغیۃ))

سوال::: """یوقنون""" کا صلہ """بالآخرۃ""" ہے اور اس کا فاعل معنوی """ھم""" ہے،،پس یہاں دونوں چیزیں یوقنون سے مقدم کیوں ہیں؟؟؟

جواب::: ان دونوں کو یوقنون سے مقدم کرنے کا فائدہ یہ حاصل ہوا کہ آخرت پر ایمان صرف وہی اہل کتاب رکھتے ہیں جو اسلام لائے ہیں،،ان کے علاوہ وہ اہل کتاب جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا وہ آخرت پہ ایمان نہیں رکھتے اور ان کا آخرت کے معاملے میں اعتقاد کا دعویٰ کرنا واقع کے مطابق نہیں۔۔۔۔۔

سوال::: یقین کا کیا مطلب ہے؟؟؟ نیز کیا اللہ عزوجل کے علم اور علم بدیہی کو یقین کے ساتھ متصف کیا جا سکتا ہے؟؟؟

جواب::: یقین کا مطلب ہے """نظر و استدلال کے ذریعے علم سے شک و شبہ کی نفی کر کے اسے پختہ کرنا""" ،،اللہ عزوجل کے علم اور علم بدیہی کے ساتھ ہم لفظ """یقین""" نہیں لگا سکتے کیونکہ ان میں نظر و استدلال کی ضرورت نہیں ہوتی۔۔۔۔۔

((تحقیق کلمۃ """الآخرۃ"""))

سوال::: لفظ """آخرۃ""" کی تحقیق کریں۔۔۔

جواب::: آخرت لفظ """آخر""" کی تانیث ہے اور دار کی صفت ہے جیسا کہ اللہ پاک کا فرمان ہے """تِلْکَ الدَّارُ الْاٰخِرَۃُ""" ۔۔۔۔۔

یہ لفظ ہر متاخر کے لیے وضع کیا گیا تھا لیکن پھر غلبے کی وجہ سے یہ دار آخرت کے لیے استعمال ہونے لگا یعنی اس عالم کے لیے جو اس دنیا کے بعد قائم ہو گا۔۔۔۔

((بیان بعض القراءات فی کلمۃ """الآخرۃ""" و """یوقنون"""))

سوال::: لفظ """آخرت""" کو نافع نے کس طرح پڑھا؟؟؟

جواب::: نافع نے ہمزہ کو حذف کر کے اس کی حرکت """لام""" کو دے دی اور """لاخرۃ""" پڑھا۔۔۔۔

سوال::: """یوقنون""" کی دوسری قرأت بیان کریں۔۔۔۔

جواب::: بعض قراء نے """یوقنون""" کی واؤ کو ہمزہ کے ساتھ بدل کر """یؤقنون""" پڑھا ہے۔۔۔۔

((بیان مناسبۃ الآیۃ لما قبلھا))

سوال::: آیت """اولئک علی ھدی من ربھم""" کا ماقبل سے کیا تعلق ہے؟؟؟

جواب::: اگر پیچھے گزرے ہوئے اسم موصول """الذین یؤمنون بالغیب""" کو متقین سے الگ کر لیا جائے تو یہ اپنے بعد والے اسم موصول سے مل کر مبتداء بنے گا اور یہ جملہ """اولئک علی ھدی""" خبر ہو گا اور خبر ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہو گا،، مطلب یہ ہو گا کہ متقین کو ہی ہدایت کے ساتھ کیوں خاص کیا جا رہا ہے؟؟؟ تو اس کا جواب یہ ہے کیونکہ متقین غیب پہ ایمان لانے، نماز قائم کرنے، زکوۃ ادا کرنے جیسی صفات سے متصف ہیں۔۔۔۔

اگر اسماء موصولہ کو متقین سے جدا نہیں کیا جائے گا تو اس صورت میں اس جملے کا پیچھے کوئی تعلق نہیں ہو گا بلکہ یہ جملہ مستانفہ بنے گا۔۔۔۔۔

((لنکات البلاغیۃ فی تعبیر قولہ """علی ھدی"""))

سوال::: لفظ """ھدی""" سے پہلے """علی""" لانے میں کیا حکمت ہے؟؟؟

جواب::: لفظ """علی""" استعلاء کے معنی میں آتا ہے یعنی کسی چیز پہ غلبہ پانا، قادر ہونا وغیرہ،، یہاں اس کو ذکر اس لیے کیا گیا ہے تاکہ یہ بتایا جائے کہ متقی لوگ ہدایت پہ قرار پکڑے ہوئے ہیں جیسا کہ شاہسوار اپنی سواری پہ قدرت رکھتا ہے۔۔۔۔

سوال::: ہدایت پہ استقرار کیسے حاصل ہو گا؟؟؟

جواب::: اللہ پاک کے قائم کردہ دلائل میں غور و فکر کرنے اور اپنے نفس کا محاسبہ کرنے کی وجہ سے ہدایت پہ استقرار حاصل ہو گا۔۔۔۔

((فوائد تنکیر قولہ """ھدی"""))

سوال::: لفظ """ھدی""" کو نکرہ کیوں لایا گیا ہے؟؟؟

جواب::: اس کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے اسے نکرہ لایا گیا ہے یعنی یہاں سے وہ عظیم الشان ہدایت مراد ہے جس کی حقیقت تک رسائی نہیں ہو سکتی اور نہ ہی اسے ماپا جا سکتا ہے۔۔۔۔۔

ھدی کے بعد """من ربھم""" ذکر کرنے سے ہدایت کی عظمت میں مزید اضافہ ہوا ہے کہ اس ہدایت پہ عمل کی توفیق اللہ ہی دیتا ہے اور جس کی توفیق اللہ عطا کرے وہ چیز کتنی عظیم ہو گی۔۔۔۔

سوال::: """من ربھم""" میں من کے نون پہ غنہ کیا جائے گا یا نہیں؟؟؟

جواب::: من کے نون کا ربھم کے """ر""" میں ادغام کر دیا گیا،، بعض کے نزدیک یہاں غنہ ہو گا اور بعض کے نزدیک نہیں ہو گا۔۔۔۔

((فوائد تکرار الاسم الاشارۃ مع العطف))

سوال::: آیت """اولئک علی ھدی من ربھم واولئک ھم المفلحون""" میں اسم اشارہ """اولئک""" کا تکرار کیوں کیا گیا ہے ؟؟؟

جواب::: اسم اشارہ کی تکرار سے یہ بات بتانا مقصود ہے کہ مذکورہ بالا صفات سے متصف لوگ((یعنی نماز پڑھنے والے، زکوۃ دینے والے)) ہدایت اور کامیابی دونوں کے مستحق ہیں اور یہ خبر دینا بھی مقصود ہے کہ ان دونوں نعمتوں((ہدایت اور کامیابی)) میں سے ہر ایک نعمت متقین کو غیر متقین سے ممتاز کرنے کے لیے کافی ہے۔۔۔۔۔

سوال::: اسم اشارہ والے ان دونوں جملوں میں حرف عطف کا تذکرہ کیوں کیا؟؟؟

جواب::: اگرچہ ہدایت اور کامیابی دونوں میں مناسبت ہے لیکن یہ دونوں مفہوم اور وجود کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں کیونکہ ہدایت دنیا میں ہوتی ہے جبکہ کامیابی آخرت میں ملے گی،، اس وجہ سے یہ دونوں متغائر تھے اور ان کے درمیان حرف عطف کا اضافہ کر دیا گیا۔۔۔۔۔

سوال::: آیت """أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ""" میں دو اسم اشارہ ہیں لیکن اس کے باوجود دونوں میں حرف عطف کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا؟؟؟

جواب::: کیونکہ ان دونوں جملوں میں تغایر نہیں،، پہلے جملے میں کفار کو چوپایوں کے ساتھ تشبیہ دے کر ان کی جہالت اور غفلت کو ذکر کیا جبکہ دوسرے جملے میں ان کی غفلت کی تصدیق کر دی۔۔۔ لہذا یہ دونوں جملے ایک جیسے ہیں۔۔۔۔

سوال::: آیت """اولئک ھم المفلحون""" میں ضمیر """ھم""" کے بارے میں بیان کریں۔۔۔۔۔

جواب::: یہ ضمیر فصل ہے،، جب مبتداء اور خبر دونوں معرفہ ہوں تو ان کے درمیان ضمیر فصل لائی جاتی ہے تاکہ یہ بات ظاہر ہو کہ یہ دونوں موصوف صفت نہیں بلکہ مبتداء اور خبر ہیں۔۔۔۔

اس کو لانے سے تین فوائد حاصل ہوئے:::

(1)خبر کو صفت سے جدا کرنا((یعنی یہ بات ظاہر کرنا کہ یہ خبر ہے صفت نہیں))

(2)نسبت حکمیہ میں تاکید پیدا کرنا

(3)مسند کو مسند الیہ کے ساتھ خاص کرنا

اس کی ترکیب یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ """ھم""" ضمیر مرفوع متصل مبتداء، مفلحون اس کی خبر،، مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر """اولئک""" مبتداء کی خبر بنا۔۔۔۔۔

((تحقیق کلمۃ """المفلحون"""))

سوال::: """مفلح"""کا کیا مطلب ہے؟؟؟ نیز اگر کوئی بھی لفظ جس کا """فاء کلمہ """اور """عین کلمہ """ مفلح کے مشابہ ہو اس کا کیا معنی ہو گا؟؟؟

جواب::: مفلح چاہے """حاء"""کے ساتھ ہو یا """جیم """کے ساتھ دونوں صورتوں میں اس کا مطلب ہو گا """کامیاب ہونے والا، مطلوب تک پہنچنے والا، جس کے لیے کامیابی کے تمام دروازے کھول دیے گئے ہوں """،، کوئی بھی لفظ جو فاء کلمہ اور عین کلمہ میں """مفلح"""کے ساتھ شریک ہو تو وہ چیرنے اور کھولنے کے معنی پہ دلالت کرے گا((فاء اور عین کلمہ میں شریک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی لفظ جس کا فاء کلمہ """فاء """ہو اور عین کلمہ """لام """ہو جس طرح مفلح کا ہے)) مثلا::: فلق۔۔۔

سوال::: """المفلحون"""کو معرفہ ذکر کرنا کس بات پہ دلالت کرتا ہے؟؟؟

جواب::: اس لفظ کو معرفہ ذکر کرنا دو باتوں پہ دلالت کرتا ہے:::

(1) متقین وہ لوگ ہیں جن تک یہ خبر پہنچی ہے کہ وہ متقین ہیں اور آخرت میں کامیاب ہوں گے۔۔۔۔

(2) یا اس بات پہ دلالت کرتا ہے کہ ہر شخص متقین کی حقیقت اور ان کی خصوصیات سے باخبر ہے۔۔۔۔۔

((ا لنکات البلاغیۃ فی ھذہ الآیۃ))

سوال::: اللہ پاک نے اس آیت میں کس طرح اس بات پہ تنبیہ کی ہے کہ متقین ہی ان چیزوں ((یعنی ہدایت اور کامیابی وغیرہ))کو پا سکتے ہیں؟؟؟

جواب::: اللہ عزوجل نے مختلف طریقوں سے تنبیہ کی مثلا کلام کو اسم اشارہ پہ مبنی کیا،، اسم اشارہ ((اولئک))کو تکرار کے ساتھ لائے،، خبر ((المفلحون))کو معرف باللام ذکر کیا،، مبتداء اور خبر کے درمیان ضمیر فصل کا اضافہ کیا۔۔۔

متقین کو خاص کرنے کا مقصد ان کے مرتبے کا اظہار اور دوسروں کو ان کی پیروی کی رغبت دلانا ہے۔۔۔۔

سوال::: کیا اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صرف متقین ہی کامیاب ہوں گے اور ان کے علاوہ گناہگار لوگ جہنم میں جائیں گے؟؟؟

جواب::: جی نہیں اس آیت سے ایسا بلکل لازم نہیں آتا جیسا کہ معتزلہ اور خوارج نے سمجھا ہے۔۔۔۔

متقین کو کامیابی کے ساتھ خاص کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مکمل کامیابی ان کو ملے گی اس کا یہ مطلب بلکل بھی نہیں کہ متقین کے علاوہ گناہگار مسلمان بلکل کامیاب نہیں ہوں گے بلکہ وہ بھی کامیاب ہوں گے لیکن ان کی کامیابی میں کمال نہیں پایا جائے گا جیسا کہ متقین کی کامیابی میں ہے۔۔۔۔

((آیت نمبر 6))

((مناسبۃ الآیۃ لما قبلھا))

سوال::: آیت """ان الذین کفروا""" کا ماقبل سے کیا تعلق ہے؟؟؟

جواب::: جب اللہ عزوجل نے اپنے خاص بندوں کا ان کی صفات کے ساتھ ذکر کیا جن صفات کی وجہ سے وہ کامیابی کے مستحق ہوئے تو اس آیت میں ان کی ضدوں یعنی کفار کا ذکر کیا جو اتنے ہٹ دھرم ہیں کہ ان کو ترغیبات اور وعیدات نے کوئی نفع نہ دیا اور وہ اپنے کفر پہ قائم رہے۔۔۔۔

سوال::: کفار کے تذکرے کا مومنین کے تذکرے پہ عطف کیوں نہیں کیا گیا؟؟؟ حالانکہ یہ ایک دوسرے سے متغائر ہیں۔۔۔۔

جواب::: یہاں حرف عطف ذکر کر کے ایک قصے کا دوسرے قصے پہ عطف کرنے کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ دونوں میں اعلی درجے کا انقطاع پایا جارہا ہے،، پہلے ((یعنی مؤمنین کے)) قصے میں قرآن کریم کی شان و عظمت کا ذکر ہے ((جو مومنوں کے لیے باعث ہدایت ہے)) جبکہ دوسرے قصے میں کفار کی گمراہی اور سرکشی کا ذکر ہے پس دونوں کی اغراض میں کافی فرق ہے لہذا ایک کو دوسرے کا معطوف بنانے کی ضرورت نہیں۔۔۔۔

((تحقیق حرف """ان""" ووجوہ تشابہ الفعل))

سوال::: """ان""" کن حروف میں سے ہے؟؟؟

جواب::: یہ حروف مشبہ بالفعل میں سے ہے۔۔۔

سوال::: ان حروف کو مشبہ بالفعل کیوں کہا جاتا ہے؟؟؟

جواب::: کیونکہ یہ چند وجوہات سے فعل کے مشابہ ہوتے ہیں:::

(1) یہ تعداد میں فعل کے مشابہ ہوتے ہیں جس طرح فعل میں ثلاثی مجرد اور مزید فیہ ہوتے ہیں اسی طرح یہ بھی ہوتے ہیں،، مثلا:::ان، أن اور لیت یہ ثلاثی مجرد کی طرح ہیں کیونکہ ان کے تین تین حروف ہیں،، لکن، لعل اور کأن یہ رباعی کے مشابہ ہیں۔۔۔۔

(2) جس طرح فعل ماضی مبنی بر فتحہ ہوتا ہے اسی طرح یہ بھی مبنی بر فتحہ ہوتے ہیں۔۔۔۔

(3) فعل متعدی کے ساتھ ان کی خاص مشابہت ہے جس طرح فعل متعدی دو اسماء پہ داخل ہو کر فاعل کو رفع اور مفعول کو نصب دیتا ہے اسی طرح یہ بھی دو اسماء پہ داخل ہو کر پہلے اسم کو نصب اور دوسرے کو رفع دے کر عمل فرعی کرتے ہیں ((ان کے عمل کو عمل فرعی اس لیے کہا گیا کیونکہ یہ اصل نہیں بلکہ فعل متعدی کے مشابہ ہیں))۔۔۔۔۔

سوال::: کوفیین حروف مشبہ بالفعل کے عمل کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟؟؟ نیز ان کا رد بھی تحریر کریں۔۔۔۔

جواب::: کوفیین کے نزدیک حروف مشبہ بالفعل صرف اپنے اسم پہ عمل کرتے ہیں خبر پہ عمل نہیں کرتے کیونکہ خبر ان کے آنے سے پہلے بھی مرفوع تھی اور ان کے آنے کے بعد بھی مرفوع ہے۔۔۔

مصنف رد فرماتے ہیں کہ خبر بحثیت خبر اس وقت مرفوع ہوتی ہے جب وہ عوامل لفظیہ سے خالی ہو لیکن جب اس سے پہلے کوئی عامل آجائے تو اس کا مرفوع یا منصوب ہونا اس عامل کی وجہ سے ہوگا اگرچہ پہلے وہ مرفوع تھی۔۔۔۔۔

((عملھا المعنوی أو فوائدھا))

سوال::: حروف مشبہ بالفعل کو استعمال کرنے سے کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے؟؟؟

جواب::: یہ نسبت حکمیہ میں تاکید پیدا کرتے ہیں اور اس کے معنی کو پختہ کر دیتے ہیں جیسا کہ اللہ پاک کا فرمان ہے:::

ترجمہ::: اور موسیٰ نے فرمایا: اے فرعون! میں ربُّ العالمین کا رسول ہوں۔۔۔۔

چونکہ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت میں شک کرتا تھا اس لیے حضرت موسیٰ نے """ان""" کے ساتھ تاکید لگائی۔۔۔۔

سوال::: جب ابو العباس کندی نے کہا کہ عربی زبان میں حشو و زوائد سے پاک نہیں مثلا::: عبد اللہ قائم، ان عبد اللہ قائم، ان عبد اللہ لقائم،، یہ تینوں جملے ایک ہی طرح کا مفہوم ادا کر رہے ہیں یوں بلا وجہ ان کے اندر حروف کا اضافہ کیا گیا ہے،، تو اس کے جواب میں مبرد نے کیا کہا؟؟؟

جواب::: مبرد نے کہا کہ ان حروف کے اضافہ بلا وجہ نہیں ہے،، جملہ """عبد اللہ قائم""" صرف عبد اللہ کے قیام کے بارے میں خبر دینے کے لیے استعمال ہوگا،، """ان عبد اللہ قائم""" اس وقت استعمال ہوگا جب کوئی عبد اللہ کے قیام کے بارے میں سوال کرے،، """ان عبد اللہ لقائم""" اس وقت استعمال ہوگا جب کوئی عبد اللہ کے کھڑے ہونے کا انکار کرے،، لہذا عربی زبان میں حشو و زوائد نہیں ہے بلکہ جملے میں ہر حرف کا اضافہ کرنے کے پیچھے کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی ہے۔۔۔۔۔۔

((بیان المراد من کلمۃ """الذین"""))

سوال::: آیت """ان الذین کفروا""" میں اسم موصول کی مراد واضح کریں۔۔۔۔

جواب::: اسم موصول چونکہ معرف باللام کے قائم مقام ہوتا ہے اس لیے یا تو یہ عہد خارجی ہوگا یا جنسی،، اگر یہ عہد خارجی ہے تو یہاں کفار سے مراد معین کفار ہوں گے مثلا::: ابو لہب، ابو جہل، ولید بن مغیرہ اور یہودی علماء وغیرہ۔۔۔۔

اگر یہ جنس کا ہے تو اس میں تمام کفار شامل ہوں گے چاہے وہ اپنے کفر پہ اصرار کرنے والے ہیں یا نہیں،، لیکن جب """سواء علیہم""" کہا تو وہ کفار جو اپنے کفر پہ اصرار نہیں کرتے وہ خارج ہو جائیں گے کیونکہ ان کو ڈرانا نفع دیتا ہے۔۔۔۔۔

((تعریف الکفر لغۃ واصطلاحا))

سوال::: کفر کا لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کریں۔۔۔۔

جواب:::

لغوی معنی::: کفر کا لغوی معنی ہے """نعمت کو چھپانا"""اس کی اصل """کفر"""((کاف کے فتحہ کے ساتھ ہے))جس کا مطلب ہے مطلقاً چھپانا،،اسی وجہ سے کسان اور رات کو بھی کافر کہا جاتا ہے کیونکہ کسان بیج کو زمین میں چھپا دیتا ہے اور رات ہر چیز کو ڈھانپ لیتی ہے۔۔۔۔۔

اصطلاحی معنی::: شریعت کی اصطلاح میں جس چیز کے بارے میں تواتر سے منقول ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے کر آئے اس کا انکار کرنا کفر ہے،،زنار پہننا اور دیگر کفار کی علامات اپنانا کفر ہیں کیونکہ یہ چیزیں تکذیب پہ دلالت کرتی ہیں،،جس شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کی وہ ظاہری طور پر کافروں کی علامات اپنانے کی جرات ہی نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔

((تحقیق کلمۃ"""سواء"""ووجوہ الاعراب لھا))

سوال::: لفظ"""سواء"""کی تحقیق کریں۔۔۔

جواب::: سواء اسم مصدر ہے اور """استواء"""کے معنی میں ہے،،جس طرح دیگر مصادر کو صفت بنایا جاتا ہے اس طرح اسے بھی صفت بنا جا سکتا ہے۔۔۔

اللہ پاک کا فرمان ہے """تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ"""اس فرمان میں لفظ """سواء"""کلمۃ کی صفت ہے۔۔۔۔

سوال::: جملہ """سواء علیہم"""کا اعراب کیا ہے؟؟؟

جواب::: یہ """ان"""کی خبر ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے،،پھر سواء کو فاعل کی تاویل میں کیا جائے گا اور اس کے بعد والا جملہ """ءأنذرتھم ام لم تنذرھم"""اس کا فاعل بنے گا اور عبارت یوں ہو گی """ان الذین کفروا مستو علیہم انذارک وعدمہ"""۔۔۔

اس کی دوسری ترکیب یہ ہے کہ یہ اپنے مابعد کے لیے خبر ہے اور اس بناء پہ یہ جملہ مرفوع ہو گا،،عبارت یوں ہو گی """انذارک وعدمہ سیان علیہم"""۔۔۔

اعتراض::: آپ نے دوسری ترکیب میں """ءأنذرتھم"""کو مسند الیہ بنایا،حالانکہ وہ فعل ہے اور فعل کو مسند الیہ بنانا درست نہیں۔۔۔

جواب::: فعل کو مسند الیہ بنانا اس وقت درست نہیں ہو گا جب اس سے وہ تمام چیزیں مراد لی جائیں جن کے لیے فعل وضع کیا گیا ہے((فعل تین چیزوں کے لیے وضع کیا جاتا ہے،،مصدری معنی کے لیے،فاعل کی طرف نسبت کے لیے اور زمانے کے لیے))لیکن اگر فعل سے اس کا لفظ مراد ہو یا مطلق حدوث مراد ہو تو اس وقت اسے مسند الیہ،مضاف اور مضاف الیہ بنانا جائز ہو گا کیونکہ وہ اسم کی طرح ہو گا۔۔۔۔۔

سوال::: جب یہاں """ءأنذرتھم"""کو مصدر کے معنی میں استعمال کرنا تھا تو فعل کے طور پر ذکر کیوں کیا؟؟؟

جواب::: اس کے دو فائدے ہیں:::

(1)معنوی

فعل اس لیے لائے تاکہ سننے والے کے دل میں ڈرانے کے تجدد کا وہم پیدا کر دیا جائے اور تجدد پہ فعل دلالت کرتا ہے نہ کہ مصدر،، مصدر لانے کی صورت میں یہ فائدہ حاصل نہیں ہونا تھا۔۔۔۔

(2)لفظی

اس پہ ہمزہ اور """أم""" کو داخل کیا گیا،، ان دونوں چیزوں کا فعل پہ داخل کرنا اچھا ہے نہ کہ مصدر پر۔۔۔۔

سوال::: انذار کا کیا معنی ہے؟؟؟ نیز یہاں یہ کس معنی میں استعمال ہوا ہے؟؟؟

جواب::: انذار کا مطلب ہے """ڈرانا""" لیکن یہاں یہ اللہ سے ڈرانے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔۔۔۔۔

سوال::: اللہ عزوجل نے آیت میں ڈرانے کا تذکرہ کیا ہے بشارت کا کیوں نہیں کیا؟؟؟

جواب::: ڈرانا دل میں زیادہ اثر کرتا ہے،، کیونکہ نفع حاصل کرنے کے مقابلے میں نقصان سے بچنا زیادہ ضروری ہوتا ہے،، پس جب ان کو ڈرنے فائدہ نہیں دیا تو خوشخبری بدرجہ اولی فایدہ نہیں دے گی لہذا صرف ڈرانے پہ اکتفاء کیا گیا۔۔۔۔۔

((ذکر بعض القراءات لقولہ تعالیٰ """ءأنذرتھم""""))

سوال::: """ءأنذرتھم""" کی قرأتیں بیان کریں۔۔۔۔

جواب::: اس کی کئی قراءات ذکر کی گئی ہیں:::

(1)دونوں ہمزوں کو بدستور باقی رکھ کر پڑھنا

(2)دوسرے ہمزہ کی تخفیف کے ساتھ پڑھنا

(3)دوسرے ہمزہ کو الف کے ساتھ بدل کر پڑھنا،، لیکن یہ طریقہ غلط ہے کیونکہ متحرک ہمزہ کو الف کے ساتھ تبدیل نہیں کیا جاتا۔۔۔۔

(4)دونوں ہمزوں کو بدستور پڑھنا اور درمیان میں الف ساکن کا اضافہ کرنا

(5)ہمزہ استفہام کو حذف کر کے اس کی حرکت دوسرے ہمزہ کو دے کر پڑھنا

سوال::: جملہ """لایؤمنون""" ترکیب کلام میں کیا واقع ہو رہا ہے؟؟؟

جواب::: اس کی چند تراکیب ہیں:::

(1)یہ جملہ ماقبل کی تفسیر ہے یعنی وہ چیز جس میں ڈرانا یا نہ ڈرانا مفید نہیں وہ یہ ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے،، اس صورت میں اس جملہ کے اعراب کا کوئی محل نہیں۔۔۔۔

(2)یہ """علیھم""" کی ضمیر سے حال مؤکدہ ہے۔۔۔۔

(3) یہ جملہ ماقبل جملے سے بدل ہے۔۔۔۔۔

(4) یہ """ان""" کی خبر ہے اور اس صورت میں """سواء علیھم ءأنذرتھم ام لم تنذرھم """جملہ معترضہ بنے گا اور یہ اس حکم ((یعنی وہ کفار ایمان نہیں لائیں گے)) کی علت ہوگا کہ انہیں ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے۔۔۔۔۔

((بیان الاستدلال علی تکلیف مالا یطاق بھذہ الآیۃ))

سوال::: کیا انسان کو ایسے عمل کا مکلف بنانا جائز ہے جس کی وہ طاقت نہ رکھتا ہو؟؟؟

جواب::: کچھ لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ انسان کو ایسے عمل کا مکلف بنایا جاسکتا ہے جس کی وہ طاقت نہیں رکھتا کیونکہ اللہ نے خبر دی کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے،، اب اگر انہیں ایمان کا حکم دیا جائے اور وہ ایمان لے آئیں تو اللہ عزوجل کی خبر جھوٹ ہوگی لہذا وہ اس حکم کو پورا نہیں کرسکتے کیونکہ پورا کرنے کی صورت میں اللہ کی خبر کا جھوٹ ہونا لازم آئے گا،، پس اس آیت سے ثابت ہوا کہ انسان کو ایسے کام کا مکلف بنایا جاسکتا ہے جسے وہ پورا نہ کرسکے۔۔۔۔۔

مصنف اس کا رد فرماتے ہیں کہ اگرچہ یہ بات عقلا جائز ہے لیکن ایسا ہوتا نہیں،، اور کسی چیز کے واقع ہونے کی خبر دینا اس سے قدرت کی نفی نہیں کرتا لہذا استدلال درست نہیں ((یعنی اللہ عزوجل نے خبر دی کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کے ایمان لانے کی قدرت کی نفی کردی گئی ہے بلکہ اللہ عزوجل نے اپنے علم سے جانا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے اور پھر یہ خبر دی،، اللہ کا خبر دینا ان کا ایمان لانے کی قدرت کی نفی نہیں کرتا))۔۔۔۔۔۔۔

سوال::: جب اللہ عزوجل کو علم تھا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے تو پھر ان کو ڈرانے کا کیا فائدہ ہوا؟؟؟

جواب::: ان کو ڈرانے سے دو فوائد حاصل ہوئے:::

(1) حجت تمام ہوگئی تاکہ وہ قیامت کے دن یہ نہ کہ سکیں کہ ہمارے پاس کوئی ڈرانے کے لیے نہیں آیا۔۔۔

(2) دوسرا فائدہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تبلیغ کرنے کا ثواب مل گیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ ڈرانا کفار کے حق میں بے فائدہ تھا جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں فائدہ مند ہے اسی لیے اللہ نے """سواء علیھم فرمایا سواء علیک نہیں کہا۔۔۔۔۔

سوال::: یہ آیت کس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک معجزہ بنتی ہے؟؟؟

جواب::: اگر """الذین کفروا""" اسم موصول سے عہد خارجی مراد لیا جائے تو یہ ایمان نہ لانے کی خبر معین کفار یعنی ابو لہب اور ابو جہل وغیرہ کے بارے میں ہوگی اور واقعی ایسا ہوا کہ وہ بغیر ایمان کے مرے،، اور یوں واقعہ سے پہلے یہ غیب کی خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے سنادی گئی تھی اس اعتبار سے یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ شمار ہوتی ہے۔۔۔۔۔